

نقشِ اول

(1948 سے 1973 کے کلام پر مشتمل)



ڈاکٹر علیم عثمانی

PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقشِ اول

(1948 سے 1973 کے کلام پر مشتمل)

ڈاکٹر علیم عثمانی

(مرتب اختر جمال عثمانی)

تفصیلات

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	نقشِ اول
مصنف :	:	ڈاکٹر علیم عثمانی
مرتب و ناشر	:	اختر جمال عثمانی +91 9450191754
مکمل پتہ	:	1270 A رفیع نگر، دیوہ روڈ، بارہ بنکی
تعداد	:	1000
صفحات	:	148
قیمت	:	160/-
سن اشاعت	:	2017
کتابت	:	اختر جمال عثمانی
سرورق	:	یاسر جمال عثمانی

ملنے کا پتہ

دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

انتساب

مرحوم والدِ گرامی کے
احباب

جناب ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب
جناب معراج وارثی صاحب
جناب مولوی عبدالقادر زبیری صاحب
جناب ڈاکٹر رام کشن سماجی صاحب
جناب کوثر نظامی صاحب

کے نام

جو کہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں اور خاکسار کو بچپن میں
جنکی بے پناہ شفقتیں حاصل رہیں

اختر جمال عثمانی

فہرست مضامین

نمبر	مضامین
1	مختصر حالاتِ زندگی و شاعری
2	زحمتِ یک لمحہ
3	عرضِ مرتب
4	مناجاتِ بدرگاہِ قاضی الحاجات
5	تاجدارِ مدینہ
6	منقبت

غزلیات

1	سنگِ شق ہوں داوڑِ محشر کا فرماں دیکھ کر
2	لب پہ اقرارِ وفادل میں کدورتِ میری
3	پیامِ دردِ دل سے نکل کر
4	اگر زندگی دے تو آسان کر دے
5	یہاں یہ حال! اک اک گھونٹ کی خاطر
6	نظر آتے تھے وہ تو مہرباں سے
7	دل کی حسرت تھی کہ وہ بھی کاش آ کر
8	اک حسن کی شمع ہے جس کا ہے یہ دیوانہ

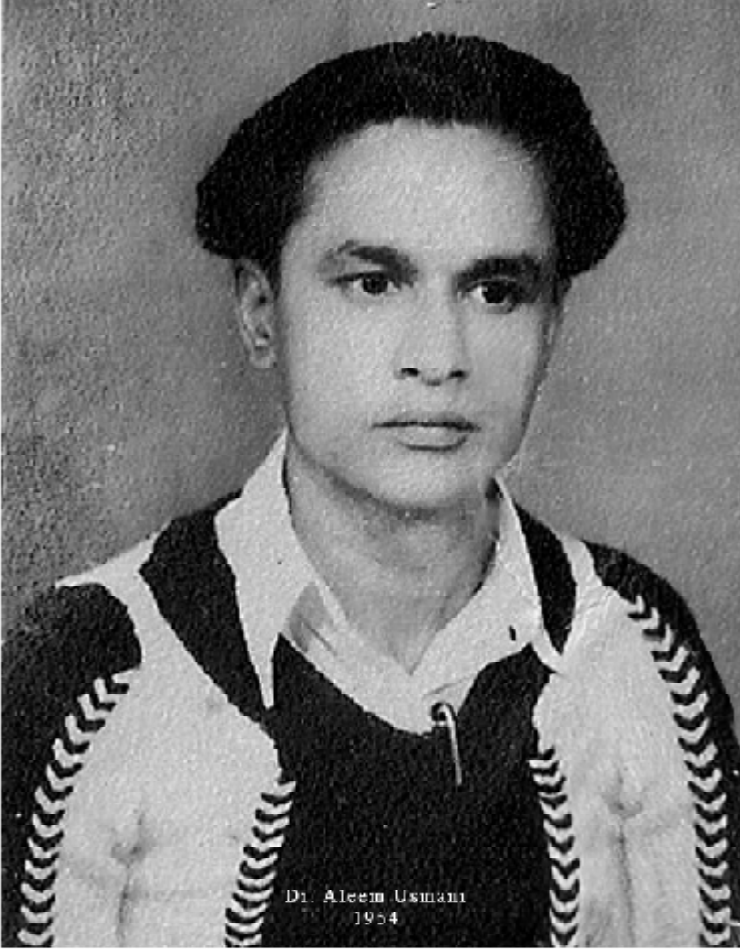
- 9 جب دستِ جنوں ہم اپنا ذرا کچھ اور 37
- 10 کہاں تک ساتھ چھوڑیں گی نہ یہ برق 38
- 11 مجھ سے ہو بے وفائی سراسر غلط غلط 39
- 12 اب وہ محفل کی آب و تاب کہاں 40
- 13 زندگی کیا زندگی جب پاس وہ دلبر نہیں 41
- 14 اٹھا چکا ہوں تمہاری ہر ہر ادائے 43
- 15 جب سُرورِ ارغواں حد سے فراواں ہو گیا 44
- 16 رنگِ دروں کو بھی ٹٹول بس رنگ 45
- 17 نہ چھیڑ باد بہاری تو بار بار مجھے 47
- 18 کوئی دیوانہ ہے تم پر کوئی سودائی ہے 48
- 19 راضی جو مجھ سے یونہی مرا باغباں رہے 50
- 20 جمالِ فطرت کے تاجروں 51
- 21 بڑے چرچے ہیں ہم نے زندگی 53
- 22 میں ناکام بندہ ہوں تیرے سہارے 55
- 23 انساں بنایا صاحبِ عظمت کیا مجھے 56
- 24 جہاں گذرا میں ان کی رہگذر سے 58
- 25 زینتِ صد کعبہ ساقی تیرے میخانے می 59
- 26 اُس کی نظروں سے تو دیکھے کوئی ویرانے 61
- 27 رہ و رسم ان سے مری کجا نہ سلام ہے 62
- 28 یہ نازِ حسن ہے نگہِ خشمگین نہیں 63

65	نہ کعبے کو جا اور نہ جا تو شوالے	29
67	نوشہ لوحِ مقدر کا ہم مٹانہ سکے	30
68	جب کہ ان کے جو درد پر پردہ نمایاں ہو	31
69	فریبِ حسنِ خیال کب تک شکستِ	32
70	ہو اے نجد بدلی قیس کا دیوانہ پن بدلا	33
72	اُترا اُتر اس اے کچھ کچھ رخِ تاباں ان کا	34
73	سر جہاں بھی جھکے والہا نہ سمجھ	35
75	جسے دیکھو وہی منزلِ نشاں ہے	36
77	مسکرا نا نہیں غم اٹھانا تو ہے	37
79	ان سے ٹکرائی جو اچانک نظر	38
80	دو پٹے کو کا جل سے کالا کرو تم	39
82	اوستم گر تجھے کچھ خبر ہے	40
84	نظر ڈالی جو بالائے نشیمن ناگہاں ہم ن	41
86	تمہارے در پہ جو ہستی مٹائے جاتے	42
88	کبھی نگاہِ کرم کی ادھر نہیں ہوتی	43
89	یہ داستانِ درد کسی بے نوا کی ہے	44
91	جانا میں بند کردوں کیوں اس کی انجمن	45
92	ہجر کا صرف ذکر چلتا ہے	46
94	سب کے ایمان کو ڈر ہو یہ ضروری	47
95	مری طرف سے کشیدہ خاطر اگر تمہاری	48

97	اندھیرے جتنے ہیں اُن سب کو بے اثر	49
99	خوبیاں بیکار تھیں آنچل اگر سر پر نہ تھا	50
100	وہ بے وفا ہے نہیں آیا اس کو آنا تھا	51
102	کوئی آنکھ گر دکھائے تم انھیں کے پاس	52
104	فضاؤں میں دامنوں کے ٹکڑے	53
105	انا کے ہاتھوں کبھی ہم نہ شاد کام رہے	54
107	دل و نگاہ پہ پابندیاں وہی ہیں ابھی	55
109	تیری پلکوں پہ تارے سجائیں گے	56
111	غم میں بھی تبسم مرے ہونٹوں پہ سجا ہے	57
112	پیار کی لے میں ہوں غمِ زنِ عید میں	58
113	لکھا کے آئے ہوں جب غم تو کیسے عید	59
114	زندگی بیتی ہے غم دیکھا کئے ہم عید میں	60
115	وہ اتنے پیار سے پیش آرہے ہیں ہولی	61
116	یا تو تم ترک کر دو خدا کے لئے	62
117	شرم کی بات ہے کون اس میں بھلا،	64
118	عمر بھر خشک اک آنسو نہ ہوا آزاد تو ہیں	65
119	وجد آگیاں بہاروں کی منزل ملے	66
120	جو میرے قلب میں جائے گزریں ہے	67
120	خوشا کہ دیکھ رہا ہوں یہ کون وقتِ سعید	68
121	جو میرے قلب میں جائے گزریں ہے	69

121	خوشا کہ دیکھ رہا ہوں یہ کون وقتِ سعید	70
122	قطعات	
	منظومات	
128	سہرا	1
129	نوجوان سے	2
130	طوائف ”۱۹۵۰ء“	3
132	”مالن“	4
133	”بھلا تو ہی بتا“	5
135	دور ماضی کی ایک جھلک (۴۹ء)	6
137	”.....مدھو بالا سے ستمبر ۵۱ء“	7
139	”پانچ سال بعد“	8
140	”ایک شام“	9
141	”اکسیڈینٹ“	10
143	”میزانِ حسن“ ۱۹۵۱ء	11
144	”بکمالِ عجلت“	12
145	”نیا سال ۱۹۵۲ء“	13
146	”محبت“	14
148	”وطن کی محبت“	15

بسم اللہ الرحمن الرحیم



ڈاکٹر علیم عثمانی

(1954)

مختصر حالاتِ زندگی و شاعری



ڈاکٹر علیم عثمانی

ڈاکٹر نذیر احمد ندوی

شعبہ عربی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی

یادش بخیر!

ڈاکٹر محمد عبدالعلیم عثمانی جو ادبی و شعری دنیا میں علیم عثمانی کے نام سے مشہور تھے، نہ صرف طبیب حاذق، کامیاب ہومیوپیتھ معالج، بلکہ معروف و مقبول کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کی شخصیت باغ و بہار، طبیعت مرنجان مرنج، آواز سامعہ نواز اور انداز دلنواز تھا۔ بارگاہ ایزدی سے اگر انھیں ایک طرف جمال ظاہر سے سرفراز کیا گیا تھا تو دوسری طرف دست

قدرت نے انھیں بڑی فیاضی سے حسن باطن سے نواز ا تھا، اس طرح وہ حسنِ صوت و صورت اور خوبی سیرت سے مالا مال تھے۔

ان کی طبیعت میں بلا کی موزونیت تھی، اس لئے شعر و شاعری سے انھیں فطری مناسبت اور قلبی لگاؤ تھا، کم عمری اور زمانہ طالب علمی ہی سے انہوں نے شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھ دیا تھا اور کیسے سخن کو سنوارنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح وہ آغاز شباب ہی سے اہل سخن سے دادِ تحسین حاصل کرنے لگے تھے۔

موصوف اپنے بارے میں رقم طراز ہیں:

”مجھے اوائلِ عمری سے شعر سننے، شعر پڑھنے اور شعر کہنے کا شوق رہا اور میں اپنے اشعار اپنے کرم فرماؤں اور مخلصوں کے درمیان سناتا رہا۔ لوگ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔“

شعر و شاعری نے انھیں آدابِ شاعری سکھائے تھے اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ”استاذِ شاعر“ ہونے کے باوجود انہوں نے شعر و شاعری میں کسی استاذ سے اصلاح نہیں لی۔

ان کی شاعری میں تجدد اور تنوع تھا، ہر صنفِ سخن میں انہوں نے طبع آزمائی کی۔ روایتی غزل گوئی میں فرد و طاق ہونے کے ساتھ نعت گوئی میں بڑے ماہر و مشاق تھے۔

ان کی شاعری میں غمِ دوراں و غمِ جاناں کا حسین امتزاج ہے۔ جناب محمد اصغر صاحب عثمانی نے بزمِ عزیز کے تعزیتی جلسہ کے موقع پر اپنے خطبہٴ صدارت میں ان کی غزلیہ شاعری کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ ”مرحوم نے روایتی غزل میں تغزل کا بھرپور استعمال کیا، وہ غزل جو میر و غالب سے ہوتے ہوئے جگر اور خمار تک پہنچی اس کو امانت کی طرح آخری دم تک سنبھالے رہے۔“

ڈاکٹر صاحب اپنے کلام کی پختگی، مضامین کی آمد اور اسلوب کی سلاست کی بدولت ہر بزم میں ”مزکرتوجہ“ بن جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اپنے ہم عصر مشہور شعراء سے گہرے مراسم تھے۔ جو نہ صرف ان کے شعری محاسن کے معترف بلکہ ان کے فنی کمالات کے مداح بھی رہے ہیں۔ جانشین حضرت افتخار موہانی جناب عزیز بارہ بنکوی ان کی شاعری کو ان الفاظ میں داد تحسین دیتے ہیں۔ ”ان کی مشق سخن کافی ہے، اشعار تمام نقائص سے پاک و صاف ہوتے ہیں۔“ نیز ان کی شعر نوازی اور شعراء پروری کو یوں سندِ توصیف عطا کرتے ہیں:-

”ان کی وجہ سے مجھے بڑی تقویت حاصل ہے، قرب و جوار میں اپنی محنت سے شاعری کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔“

اگر انہوں نے اپنی نظمیں، نعتیں اور غزلیں محفوظ رکھنے کی جانب توجہ کی ہوتی تو اب تک ان کے کئی شعری مجموعے تیار ہو چکے ہوتے۔

ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ ”دیوار“ ۱۹۹۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر مقبول اہل نظر ہو چکا ہے۔ جلد ہی غزلوں کے دو مجموعے اور نعتیہ کلام کا ایک مجموعہ تیار ہو کر منظر عام پر آنے والا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ”بزم بہارِ سخن“ کے نام سے ایک ادبی انجمن قائم کی تھی جس سے اودھ کے لکھنؤ و بارہ بنکی اضلاع اور ان کے اطراف سے تعلق رکھنے والے نامور شعراء وابستہ تھے جس کی ماہانہ نشستوں میں جس طرح کہنہ مشق شعراء اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کرتے تھے، اُسی طرح نوآموز شعراء ان کی رہنمائی و سرپرستی میں مشق سخن کیا کرتے تھے، اس طرح نہ جانے کتنے تازہ واردانِ بساطِ سخن ان کی اصلاح و تہذیب و ترویج سے سخنورانِ غزل اور شہنشاہانِ اقلیم سخن بن گئے۔

جناب علیم عثمانی کی پیدائش قصبہ کرسی ضلع بارہ بنکی یوپی میں مورخہ 8 نومبر 1931 کو ہوئی ان کے والد ماجد جناب محمد نسیم صاحب اپنے زمانہ کے ایک نامور حکیم تھے جن کی شفقت پدری کا سایہ ان کے سر سے صرف 4 سال ہی کی عمر میں اٹھ گیا تھا، انہوں نے مادرِ مشفق ہی کی آغوشِ محبت میں تعلیم و تربیت پائی، ان ہی کی خدمت اور راحت رسانی کی خاطر وہ مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے اور ملازمت کی غرض سے کبھی قصبہ کرسی سے باہر نہیں نکلے۔ ماں کی دعاؤں کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے نورِ نظر اور لُختِ جگر کو شہرت و مقبولیت کے بامِ عروج پر پہنچا دیا۔

ڈاکٹر صاحب کی ذات مرجعِ خلاق تھی۔ لوگ دور دراز مقامات سے طبی مشورے کے علاوہ دیگر دینی، علمی اور ادبی امور میں تبادلہ خیال کے لئے ان سے رابطہ کرتے تھے اور وہ ان کی اپنے طویل تجربات، وسیع مشاہدات و مطالعات کی روشنی میں رہنمائی کیا کرتے تھے۔

ایک کہنہ مشق شاعر، بلند پایہ ادیب اور باکمال سخن شناس ہونے کے ساتھ وہ نہایت شگفتہ مزاج، بذلہ سنخ، ذہین و طباع نیز حاضر دماغ و حاضر جواب تھے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی خوش اخلاقی، خندہ جبینی اور کشادہ روئی کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، اس لئے ہر مجلس میں جانِ محفل بنے رہتے تھے، انکی مجلسیں بڑی پر لطف اور امن و سکون سے معمور ہوا کرتی تھیں۔

اگر ایک طرف ان کی ظرافت اور طنز و مزاح سے محفلیں قہقہہ زار بن جاتی تھیں تو دوسری طرف ان کی آنکھیں یادِ الہی میں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ کیونکہ وہ بڑے ذاکر و شاغل اور پابندِ معمولات تھے، ان کی زندگی ذوقِ عبادت، فکرِ آخرت اور اندیشہٴ عاقبت سے عبارت تھی۔

صبر و توکل اور قناعت و استغناء ان کا وطیرہ نیز تواضع و سادگی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ شاعری میں بے حد مقبولیت اور میڈیکل پریکٹس میں بے پناہ کامیابی کے باوجود انہوں نے آمدنی میں اضافہ کے امکانات پر توجہ نہیں دی۔

ان کی زندگی جہد مسلسل، عمل پیہم، یقین محکم کی آئینہ دار تھی۔ جہادِ زندگی میں انہوں نے انہی شمشیروں سے کام لیا تھا، حیاتِ مستعار کے آخری چند ماہ بعض عوارض و امراض کی نذر ہوئے جن سے وہ جانبر نہ ہو سکے، بالآخر ان کا آفتابِ زندگی مورخہ 10 مئی 2012 بروز پنج شنبہ بوقت سہ پہر غروب ہو گیا اور فضل و کمال کا یہ مجموعہ پیوند خاک ہو گیا۔



☆ زحمتِ یک لمحہ

محترم قارئین کرام۔ میرا پہلا شعری مجموعہ دیوار آپ کے سامنے ہے۔ آپ اطمینان رکھیں میں آپ کو نہ تو اپنی سوانح حیات سنا کر بور کروں گا اور نہ اپنی ذاتی زندگی کے سرد و گرم کی تشریحات میں آپ کا وقت برباد کروں گا۔ مجھے مختصر الفاظ میں صرف دو ایک باتیں آپ سے عرض کرنی ہیں وہ یہ کہ مجھے اوائل عمری سے شعر پڑھنے اور شعر کہنے کا شوق رہا اور میں اپنے اشعار اپنے کرم فرماؤں اور مخلصوں کے درمیان سناتا رہا۔ لوگ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ لیکن میں نے کبھی خواب و خیال میں بھی یہ تمنا نہیں کی کہ میرا شمار باقاعدہ صفِ شعراء میں ہو۔ یا میں اپنی شاعری کو درجہء کمال تک پہنچا کر اپنے فن کا لوہا اہل ذوق سے منواؤں۔ میرے بعض انتہائی مخلص احباب جو آج اس دنیا میں نہیں ہیں مثلاً جناب حیات وارثی، جناب صائم سیدن پوری، جناب کشفی لکھنوی، جناب بادل سلطان پوری، جناب چودھری رضی عثمانی دیوہ شریف اور جناب عنبر شاہ وارثی کراچی پاکستان وغیرہ کی دلی خواہش رہی کہ میرا مجموعہ کلام شائع ہو۔ اور اپنے موجودہ مخلصوں مثلاً جناب حفیظ سلمانی، جناب اختر موہانی، جناب ہنومان پرشاد عاجز ماتوی، جناب مولانا نذیر احمد ندوی، جناب حسن مہدی رضوی ایڈوکیٹ اور جناب نذر الدین پردھان قصبہ کرسی وغیرہ وغیرہ کے محبت بھرے تقاضوں سے مجبور ہونے کے بعد اس مجموعہ کی اشاعت میرے لئے

ناگزیر ہو گئی۔

چونکہ باقاعدہ شاعر بننے کا میرا کوئی پروگرام نہیں تھا اس لئے میں نے کسی بزرگ سے کبھی شرفِ تلمذ بھی حاصل نہیں کیا۔ میرے اس مجموعہ میں ان سرکردہ اور نامور شخصیتوں کی کوئی تقریظ شامل نہیں ہے جن کی تحریروں سے معمولی شعری مجموعوں کا معیار بلند ہو جایا کرتا ہے۔

اس کتاب کی ترتیب و تدوین و اشاعت کے سلسلے میں جن لوگوں نے میری مدد کی وہ جناب قمر ٹکیٹ گنجوی، جناب اظفر سلطان پوری، جناب مولانا ندیر احمد ندوی اور بالخصوص جناب عاجز ماتوی ہیں جن کا نیز تمام اہل محبت کا شکر گزار ہوں۔

اب میرا یہ مجموعہ کلام قارئین کی میزانِ نظر پر ہے۔ اگر کسی کو میرا کوئی شعر بھی پسند آجائے تو یہ میری کامیابی کا ثبوت ہوگا۔

خاکِ پائے اہل سخن

(ڈاکٹر) علیم عثمانی

بارگاہِ فن۔ کرسی۔ بارہ بنکی

17 اکتوبر 1995

☆ صاحب کلام کا یہ وہ پیش لفظ ہے جو انہوں نے زحمت

یک لمحہ کے عنوان سے ”دیوار“ نامی اپنے پہلے مجموعہ کلام مطبوعہ 1995 کے لئے تحریر کیا تھا۔

عرضِ مرتب

زیر نظر مجموعہء کلام والد ماجد جناب ڈاکٹر علیم عثمانی صاحب مرحوم کے ان قطعاتِ نظمیں اور غزلوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے 1948 سے 1973 کے درمیان کہی تھیں اس طرح یہ کلام ربع صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے، ان کا یہ شعری سرمایہ لکڑی کے ایک بوسیدہ بکس سے برآمد ہونے والی ایک ڈائری نیز متفرق کاغذات کے ذریعہ فراہم ہوا ہے۔

میری یہ دیرینہ تمننا تھی کہ محترم والد صاحب کا یہ کلام نقشِ دوام بن جائے اور زیور طبع سے آراستہ ہو کر گردشِ دوراں کی خرد برد سے محفوظ ہو جائے نیز سخن شناسوں اور شعر نوازوں کے لئے سرمہء چشم بن جائے۔

باگاہِ الہی میں سراپا سپاس و نیاز ہوں کہ مجھے شعر و ادب کی خدمت اور والد مرحوم کے نقوشِ سخن کی جمع و ترتیب کی سعادت حاصل ہو رہی ہے

نیاز مند

اختر جمال عثمانی

قصبہ کرسی ضلع، بارہ بنگی، انڈیا

Email. akhtar.jamal.usmani@gmail.com

مناجات

بدرگاہِ قاضی الحاجات

(مطبوعہ ماہنامہ سنی لکھنؤ ماہ اگست ۱۹۵۴ء)

تری خدائی کی یا رب ہے کون حالت آج
 درِ مجاز پہ خم ہے سرِ حقیقت آج
 وہی رسول کہ جس کو حبیب تو نے کہا
 ہے شرم سار جہاں میں اسی کی امت آج
 سیاہیوں کا تسلط ہے آج سینوں میں
 دلوں سے اٹھ گئی صدیق کی صداقت آج
 ہے دستِ بہیمیت و جبر میں زمامِ عدل
 عمر کے نام سے واقف نہیں عدالت آج
 نہ آشنائے قفا ہے شکر فروش زباں
 نہ آنکھ ہی میں ہے عثمانؓ کی مروت آج
 ہے ضعفِ جسم بھی معنوں اب نزاکت سے
 کلائیوں میں نہیں ہے علیؓ کی طاقت آج



نعت تاجدارِ مدینہ

خدا یا کہیں تاجدارِ مدینہ
 ہے کوئی مرا جانثارِ مدینہ
 تصدق کروں جانفگارِ مدینہ
 جو آنکھوں سے دیکھوں دیارِ مدینہ
 مصیبت کے طوفان ہیں غم کے بادل
 خبر لو خبر تاجدارِ مدینہ
 جہاں سجدہ کرتے ہیں آکر فرشتے
 وہ کعبہ ہے اپنا دیارِ مدینہ
 شرابِ محبت سے سرشار کر دے
 مجھے ساقیِ بادہ خوارِ مدینہ
 علیم اٹھا گر تیرے در سے تو آخر
 کہاں جائے گا تاجدارِ مدینہ



منقبت

مزا جانے وہی بس جو کہ مستانہ ہے وارث کا
تصدق لاکھ میخانے وہ پیانہ ہے وارث کا

یہاں ہر وقت پیانوں پہ پیانے چھلکتے ہیں
جہاں دن رات چھنتی ہے وہ میخانہ ہے وارث کا

زہے قسمت ٹھکانے لگ گئی دیوانگی اپنی
زمانہ مجھ کو کہتا ہے کہ دیوانہ ہے وارث کا

جدھر دیکھو ادھر خلقِ خدا وقفِ جبیں سائی
حریمِ ناز تو سچ مچِ حریمانہ ہے وارث کا

جبینِ شیخ سرکش بھی جہاں خم ہو کے رہتی ہے
حقیقت جس پہ صدقے ہے وہ افسانہ ہے وارث کا

لبوں پر خلق کے ھے شکوہء کوتاہ دامانی
بلا ناغہ وہ فیضِ عام روزآنہ ھے وارث کا

جگر سوزی کی لذت کوئی پوچھے اے علیم اس سے
لگی ھے جس کے وارث کی جو پروانہ ھے وارث کا



غزلیات

غزل

سنگِ شق ہوں داوِ محشر کا فرماں دیکھ کر
خوفِ انساں کو نہ ہو احکامِ قرآن دیکھ کر

پھر نہ سنبھلا دلِ خرامِ نازِ جاناں دیکھ کر
اک غشی سی آگئی محشر کا ساماں دیکھ کر

مہرِ برب ہیں فصاحت پر فصیحانِ جہاں
تیری بے وٹنی پہ یہ آیاتِ قرآن دیکھ کر

باریابی جلوہ گاہِ ناز میں ممکن نہیں
دل بہل جاتا ہے اپنا کوئے جاناں دیکھ کر

یادِ مجھ کو ظلمتِ شام شبِ غم آگئی
روئے انور پر ترے زلفِ پریشاں دیکھ کر

جانثاروں میں ہے صبحِ عیدِ قرباں کی خوشی
دستِ نازک میں کسی کے تیغِ عریاں دیکھ کر

اُودی اودی یہ گھٹائیں اور یہ دلکش سماں
پھر گیا آنکھوں میں ساغر ابرباراں دیکھ کر

کیوں نہ گذرے اب حدودِ عشق سے جوشِ جنوں
خندہ زن ہیں وہ مرا چاکِ گریباں دیکھ کر

وصل کی بھی شب کٹی اختر شماری میں علیم
گیسوائے شب رنگ پر تابندہ افشاں دیکھ کر



غزل

لب پہ اقرارِ وفا دل میں کدورت میری
کوئی الفت میں بھی الفت ہے یہ الفت میری

بستیاں چھوڑ دوں فطرت کا تقاضہ ہے یہی
کہیں بدنام نہ ہو جائے محبت میری

جس گھڑی آئی تصور میں تیری زلفِ دراز
یک بیک دیکھ کے گھبراگئی وحشت میری

توبہ کرلوں مگر اتنا تو بتا اے زاہد
پس توبہ بھی جو مائل ہو طبیعت میری

رنج و غم درد و الم حسرت و یاس و ارمان
ہفت اقلیم پہ گویا ہے حکومت میری

شوقِ گلزار کبھی بادیہ پیمائی کبھی
گل نئے روز کھلاتی ہے یہ وحشت میری

ٹھوکریں کھاؤں نہ کیوں راہِ محبت میں علیم
عمر ہے راہِ رو منزلِ رفعت میری

غزل

پیام دردِ دل دل سے نکل کر
چلا آتا ہے ہر آنسو میں ڈھل کر

بلا کی شوخیاں رفتار میں ہیں
قیامت ڈھا رہا ہے کوئی چل کر

تجلی سے ہوئے سرشار موسیٰ
تجھے کیا مل گیا اے طور جل کر

کہاں میں اور کہاں یہ عرصہ حشر
بڑی دور آگیا گھر سے نکل کر

سرشام ان کا تھا آنے کا وعدہ
اجالا ہو چلا ہے رات ڈھل کر

لئے اک درد پہلو میں مسلسل
شب غم کاٹ دی کروٹ بدل کر

مرے کپڑوں میں کچھ کچھ آگئی ہے
شیم ناز آنچل سے نکل کر

چھڑانا مجھ سے وہ دستِ حنائی
عجب انداز سے آنکھیں بدل کر

سوئے دشت اک نہ اک دن ہے نکلنا
کسی کی خاکِ پا چہرے پہ مل کر

حقیقی عشق ہوگا یہ علیم اب
مجازی کی منازل سے نکل کر



غزل

اگر زندگی دے تو آسان کر دے
نہیں تو جدا جسم سے جان کر دے

کوئی مجھ پہ اتنا تو احسان کر دے
فقط ان سے ملنے کا سامان کر دے

نہ دل دے نہ دل میں تمنا دے یارب
اگر دے تو پورا ہر ارمان کر دے

نبھانا نہ ہو جب کہ عہدِ محبت
بلا وجہ پھر کیوں پریشان کر دے

پھنسا رکھی کیوں! کشتیِ دلِ خدایا
لگا پار! یا نذرِ طوفان کر دے

اِرم کی تمنا، نہ جم کی ہے خواہش
مجھے ان کے درکا تو دربان کردے

نہ ڈالی میسر نہ تنکے مہیا
الہی نشیمن کا سامان کردے

زیادہ نہیں خالِ رخ ہی کو لیلو
یہی جذبہٴ دل کو طوفان کردے

نہیں تاب ضبطِ تعافلِ علیم اب
خدایا ادھر ان کا رجحان کردے



غزل

یہاں یہ حال! اک اک گھونٹ کی خاطر ترستے ہیں
وہاں یہ رنگ! پیانوں پہ پیانے چھلکتے ہیں

نئی مینا، نئی مئے، اور نیا ساغر، نیا ساقی
غرض ہر شے نئی ہے اس لئے ارماں مچلتے ہیں

نمایاں داغِ دل بھی ہو چلے ہیں اب تو آؤ گے
اسی امید پر بیٹھے تمہاری راہ تکتے ہیں

گلوں کا حق ہے دامن پر تو کچھ کانٹوں کا بھی حق ہے!
بچائے کون اب دامن! جو یہ بڑھ کر الجھتے ہیں

لبوں پر مہر خاموشی ہے اور آنکھوں میں آنسو ہیں
گدا دامن کو پھیلائے ہوئے تجھ کو ہی تکتے ہیں

منالیتے ہیں اپنے گھروہ اِکدن رسمِ دیوالی
یہاں داغِ جگر دل میں چراغاں روز کرتے ہیں

علیم اب دل کو ہے صبر و تحمل کی نہیں طاقت
تسلی دوں اگر تو نالے رہ رہ کر ابلتے ہیں

غزل

نظر آتے تھے وہ تو مہرباں سے
ستم گر ہو گئے آخر کہاں سے

پسِ چلمن لبِ لعلیں ہے یوں گویا
ترا آنا ہوا قاصد کہاں سے

قریب آکر جھجک کر لوٹتی ہے
ہے ڈرتی برق شاید آشیاں سے

نہ بادہ چاہئے مجھ کو نہ ساغر
ذرا ملنا ہے بس پیرمغاں سے

تمہارے گیسوئے مشکیں کی ہوگی
ختن کی بویہاں آئی کہاں سے

نہیں دیتی اجازت ناتوانی
کہ رکھ کر سراٹھاؤں آستان سے

نہ جانے منہ چھپاتے کیوں ہیں ساحل
ہماری کشتی عمر رواں سے

علیم الفت میں ہیں صدا مصاب
ابھی سے ہو گئے تم نیم جاں سے



غزل

دل کی حسرت تھی کہ وہ بھی کاش آ کر دیکھتے
میری مدہوشی پہ رقصِ جام و ساغر دیکھتے

حضرتِ زاہد جو میخانے کا منظر دیکھتے
پھر نہ وہ ہرگز رہِ تسنیم و کوثر دیکھتے

سرخ ڈورے دیکھ کر ساقی کی چشمِ مست میں
ہم یہ سمجھے جام میں ہیں موجِ احمد دیکھتے

برق بھی شاید تڑپتی ہے کسی کی یاد میں
کاش ہوتی قوتِ پرواز اڑ کر دیکھتے

زلفِ افشاں ریز کا یاد آتا پھر سے سلسلہ
جب شبِ غم میں کبھی ہم نجمِ واختر دیکھتے

چشمِ وابرو کی بدولت رند ہم زاہد بھی ہم
زیرِ محرابِ حرم میں جامِ وساغر دیکھتے

اللہ اللہ ابروئے خمدار پر عرقِ حیا
دیکھتے تلوارِ ہم یا اس کا جوہر دیکھتے

روحِ فرسا غمِ شبِ غم کا ہے کوئی غم میں غم
غم تو جب غم تھا کہ غم کو روح پرورد دیکھتے



غزل

اک حسن کی شمع ہے جس کا ہے یہ دیوانہ
جلتا ہے محبت میں دل صورتِ پروانہ

مستی کی حدوں سے جب گزرے دلِ دیوانہ
ہر گام پہ سجدے ہوں ہر گام پہ میخانہ

ہر ذرہ دل خود ہی پھر طوربدا ماں ہو
نظروں میں سما جائے گر جلوۂ جانانہ

ہر وقت کرم ہو میں طالب ہوں اسی در کا
وہ شان ہے سلطانی یہ شان فقیرانا

جب تیری تجلی ہے آئینہ عالم میں
پھر دونوں برابر ہیں کعبہ ہویا بتخانہ

سن لیں وہ ذرا آکر شامِ غمِ تنہائی
ہے سوزِ محبت میں ڈوبا ہوا افسانہ

پر لطف بہاروں میں رنگین گھٹاؤں میں
خود شوق چلا لے کر پھر جانبِ میخانہ

ساقی کی نگاہوں پر ان مستِ اداؤں پر
دیکھیں گے علیم اب تولٹتا ہوا میخانہ



غزل

جب دستِ جنوں ہم اپنا ذرا کچھ اور مہرباں دیکھیں گے
اک گل ہی کو کیا ہر غنچے کو پھر چاک گریباں دیکھیں گے

جب ان کی نظر کو کہہ کے کہا اس تیر کے پیکاں دیکھیں گے
بجلی سی لبوں پر کوند گئی اور بولے کہ ہاں ہاں دیکھیں گے

دل ہم نے دیا تو کچھ بھی نہیں اور وصل کا اتنا احساں ہے
آپ آئے بڑے احساں والے اپنا ہی تو احساں دیکھیں گے

توبہ سے ہمیں گو توبہ نہیں پر اتنا بھلا بتلا واعظ
جذبات کہیں رک پائیں گے جب ابر بہاراں دیکھیں گے

فریاد نہ کر پہلو نہ بچا تکمیل محبت ہونے دے
اک دن تو علیم اس درد کو ہم منت کش درماں دیکھیں گے



غزل

کہاں تک ساتھ چھوڑیں گی نہ یہ برقِ تپاں اپنا
چمن سے دور لے جانا پڑے گا آشیاں اپنا

تمہارا آستان اک بارگاہِ آزمائش تھا
جہاں ہر ہر نفس ہوتا رہا ہے امتحاں اپنا

ارادے خیر اپنے ہیں مگر قسمت پہ کیا قابو
لٹا ہے سرحدِ منزل میں اکثر کارواں اپنا

تمناؤں کا گلشن جب بھی کچھ آمادہ ہوتا ہے
جمادیتی ہے آکر رنگ پھر بادِ خزاں اپنا

علیم اب تجھ سے بدظن ہوزمانہ توشکایت کیا
کہ جب رہتا ہے ہردم بدگماں سا پاسباں اپنا



غزل

مجھ سے ہو بے وفائی سراسر غلط غلط
الزام کوئی لاکھ رکھے خواہ مخواہ میں

یارب سفینہ دل ناداں کی خیر ہو
دریا مچل رہے ہیں کسی کی نگاہ میں

اک صبح شبنمی پس مردن ہوئی رفیق
موتی بکھیرتی ہے لحد کی گیاہ میں

مایوس ہر طرف سے نہ ہو چاہ میں علیم
تھاپاسبان کوئی تو یوسف کا چاہ میں



غزل

اب وہ محفل کی آب و تاب کہاں
ساغر و شیشہ و و شراب کہاں

سونی سونی ہے بزم کیوں ان کی
آج وہ چنگ اور رباب کہاں

حسن کی ان کے گرمثال نہیں
میری الفت کا ہے جواب کہاں

خوفِ رسوائی سے رہی خاموش
ورنہ میری زبان کو تاب کہاں

لطف پھر جور ! آہ سچ ہے علیم
عہدِ پیری کہاں شباب کہاں



غزل

زندگی کیا زندگی جب پاس وہ دلبر نہیں
میکشی کیا میکشی جب شیشہ و ساغر نہیں

پھروہی وحشت نہیں کیا پھر وہی چکر نہیں
رسم و راہِ عشق کی پابندیاں ان پر نہیں

کس قدر بیباک ہے ان کا تصور دیکھتے
خانہء دل میں مرے ہے گوکہ اسکا گھر نہیں

قتل کی خاطر انہیں کیا ڈھونڈنا زیرِ کمر
ابروئے خمدار ہی کافی ہے گر خنجر نہیں

خود فریبی ہے یہ اپنی جو بہل جاتا ہے دل
ورنہ سچ پوچھو تو کچھ مانوس ہے منظر نہیں

عشقِ کامل ہے صعوباتِ زمانہ جھیلنا
ورنہ کچھ تکمیلِ الفتِ کامرانی پر نہیں

زخمِ دل پر مسکراہٹ کر گئی مرہم کا کام
ان کا یہ اعجاز بھی عیسیٰ سے کچھ کمتر نہیں

گر صبا جانا اُدھر اتنا ادب سے پوچھنا
عادتِ ایفائے وعدہ آپ کو کیونکر نہیں

عشق کا آزار اک نیرنگِ فطرت ہے علیم
عشق میں دل، دل نہیں، جاں، جاں نہیں، گھر گھر نہیں



”دھوکے“

اٹھا چکا ہوں تمہاری ہر ہر ادائے نامعتبر کے دھوکے
میرے لئے اب اہم نہیں ہیں یہ نیچی نیچی نظر کے دھوکے

یہ ننگِ انسانیت الہی جدھر کے دیکھو اُدھر کے دھوکے
کبھی تو دھوکے تھے راہزن کے مگر ہیں اب راہبر کے دھوکے

ہے دامنِ ضبط ٹکڑے ٹکڑے مگر ندامتِ زباں ہے پکڑے
کہ کھائے دھوکے بھی زندگی میں تو اپنے دیوار و در دھوکے

خدا خدا کر کے زندگی بھی ملی تو ہو موت جس سے بہتر
دعا کو اب تک اجابتوں نے دئے ہیں کیا کیا اثر کے دھوکے

علیم اتنا کہا تھا ان سے کہ تم نے دھوکے کئے ہیں مجھ سے
بگڑ کے بولے اگر یہی ہے دکھائیں گے اب تو کر کے دھوکے



غزل

جب سُرورِ ارغواں حد سے فراواں ہو گیا
کیف کے سانچے میں ڈھل کر جذبِ عرفاں ہو گیا

جب کہ ان کا جورِ درپردہ نمایاں ہو گیا
میں مثالِ آئینہ کچھ حیراں حیراں ہو گیا

بجلیوں کا ڈر نگاہِ باغباں کا دبدبہ
اک طرح کا اب تو یہ گلشن بھی زنداں ہو گیا

شکر ہے ان کی نگاہیں ملتفت ہونے لگیں
اہتمامِ بخئیہ چاکِ گریباں ہو گیا

کتنے کعبے آگئے آنکھیں بچھانے کو علیم
میں جہاں بھی والہانہ سجدہ ریزاں ہو گیا



غزل

رنگِ دروں کو بھی ٹول بس رنگِ ظاہری نہ دیکھ
چاند کے دل کا داغ دیکھ چاند کی چاندنی نہ دیکھ

کلیوں کی چھاتیاں پھٹیں اور ساری بلبلیں ہنسیں
فطرتِ روگاز دیکھ حسن بہار ہی نہ دیکھ

نغمہ طرازیں وہ کیا ساز پہ جو نہ چھاسکیں
اپنی دھنوں کو اور اٹھاساز کی نغمگی نہ دیکھ

دامنِ عزمِ تھام لے عقل و عمل سے کام لے
جاگ کہ وقت ہو چکا رنگِ سیہِ شمی نہ دیکھ

یاس کی ظلمتوں سے کرپیدا کرنِ توبات ہے
دور کی روشنی ہی کیا دور کی روشنی نہ دیکھ

جدوجہد کا نام ہے اصل میں زندگی علیم
ماضی کی دلکشی تو چھوڑ حال کی بے کسی نہ دیکھ



غزل

نہ چھیڑ باد بہاری تو بار بار مجھے
ہوائے دامنِ جاناں ہی ہے بہار مجھے

خزائں کا ڈر ہے نہ ہے فکر لالہ زار مجھے
جگر کے زخم ہی لگتے ہیں خوشگوار مجھے

قصور ان کا نہ میرا اگر جو سچ پوچھو
نظر پہ ان کو نہ ہے دل پہ اختیار مجھے

سکون دیتا ہے جب بیقرار ہوتا ہوں
کسی کے وعدہ فروا کا اعتبار مجھے

بہار سب کو ہے پیاری مگر علیم اکثر
خزائں کے جھونکوں پہ بھی آگیا ہے پیار مجھے



غزل

کوئی دیوانہ ہے تم پر کوئی سودائی ہے
تم نے کیا ہوش میں آنے کی قسم کھائی ہے

آج اس سے تمہیں انکارِ شناسائی ہے
کل ابھی ہنس کے سلاسل جسے پنہائی ہے

اب تو پھر عزم پئے باد یہ پیائی ہے
کیوں کہ سنتے ہیں گلستاں میں بہار آئی ہے

نبضِ دل ڈوب چلی ہے مری اے بادِ صبا
ان سے کہنا یہی دعویٰ مسیحا ہے

تیرے گیسوپہ یہ افشاں بھری اللہ ری مانگ
کھکشاں پھاڑ کے بادل کو نکل آئی ہے

شرم کے پردے میں یہ چشم و مژہ کے سجدے
واہ کیا حسن تقاضائے جبیں سائی ہے

اک تماشہ ہوں تماشہ گہہ الفت میں علیم
ذرہ ذرہ مری وحشت کا تماشائی ہے



غزل

راضی جو مجھ سے یونہی مرا باغباں رہے
مجھ کو چمن میں کچھ نہ غمِ آشیاں رہے

آئے عدم سے ہستی فانی میں اس طرح
دوچار روز جیسے کوئی میہماں رہے

ایسے گناہگار کو محشر کا خوف کیا
جس کا شریک مالک کون و مکاں رہے

قصے شبِ فراق کے اے جانِ جاں نہ پوچھ
ہم تو تری تلاش میں بے خانماں رہے

ہر پردہٴ نظر میں ہے اک نقشِ آشیاں
مجھ کو نہیں یہ فکر مرا آشیاں رہے

کیا جانیں نغمہ ہائے مسرت کو ہم علیم
جب تک یہاں رہے نہ کبھی شادماں رہے



غزل

جمالِ فطرت کے تاجروں میں نظر کی وسعت کے تذکرے ہیں
بہت سے یوسف جو کل بکیں گے انہیں کی قیمت کے تذکرے ہیں

مجاز والوں کے درمیاں بھی چھڑے حقیقت کے تذکرے ہیں
تمہاری صورت کی بات لے کر خدا کی قدرت کے تذکرے ہیں

ہمارے اوراقِ زندگی کو تمہیں الٹنے سے کیا ملے گا
تمہارے ہاتھوں اٹھائی ہے جو اسی مصیبت کے تذکرے ہیں

سنوار لو اپنے گیسوؤں کو پسینہ ماتھے سے پونچھ ڈالو
تمہاری محفل کے آئینوں میں تمہاری صورت کے تذکرے ہیں

جنابِ واعظ سے مختلف ہے ہماری طرزِ بیان ورنہ
وہی جوانی کے تذکرے ہیں وہی قیامت کے تذکرے ہیں

یقین کی شمعیں پگھل رہی ہیں مباحثہ دل سے چل رہا ہے
تمہارے وعدے کی روشنی میں تمہاری عادت کے تذکرے ہیں

سوال یہ ہے کہ رسم الفت میں ترک تجھ سے کروں تو کیسے
مرے مقدر کے حاشے پر تری محبت کے تذکرے ہیں

زمانہ گذرا کوئی تعلق نہیں ہے ان سے علیم لیکن
انہیں کی محفل کے تذکرے ہیں انہیں کی صحبت کے تذکرے ہیں



غزل

بڑے چرچے ہیں ہم نے زندگی وقف بتاں کر دی
ہم اپنی چیز کے مالک تھے ہم نے رائیگاں کر دی

مقفل اس نے جس کے واسطے سب کی زباں کر دی
وہی بات اس کے ماتھے کے پسینے نے بیاں کر دی

ہزاروں تبصرے ہیں اس کی دزدیدہ نگاہی پر
کیوں اتنی عام فہم اس نے نگاہوں کی زباں کر دی

ضرورت مجھ پہ جتنے ظلم ڈھاسکتی تھی ڈھالیتی
ضرورت نے تو بیگانہ نگاہ دوستاں کر دی

مرے خون تمنا میں مری اپنی رضا بھی تھی
لحاظ خاطر محبوب میں میں نے بھی ہاں کر دی

فقیہہ شہر مجھ سے اس پہ نالاں ہے کہ کیوں میں نے
بطرز حمد باری شرح رخسار تباں کردی

تمہاری رہ گذر کے رات دن پھیرے لگانے میں
گم اپنی میں نے شخصیت خدا جانے کہاں کردی

علیم اس آپ کی طرز بیاں میں آگ لگ جائے
غزل پڑھ کر کسی کی چاندی صورت دھواں کردی



غزل

میں ناکام بندہ ہوں تیرے سہارے
مری کشتی غم لگادے کنارے

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں جو کہہ رہے ہیں
سمجھتا ہوں انکی نظر کے اشارے

ہیں دیوانہ دل نہ پوچھو کچھ ان سے
کہاں جارہے ہیں محبت کے مارے

نہیں آئے شمعِ لحد پر جلانے
گرے ٹوٹ کر آسماں پر ستارے

غضب ہو گیا ان سے نظریں ملانا
بھڑک اٹھے سینے میں غم کے شرارے

نہ بھولے گا وہ دن علیم اپنے دل کو
وہ کیا تھیں ادائیں وہ کیا تھے اشارے

غزل

انساں بنایا صاحبِ عظمت کیا مجھے
رحمت ترے نثار کہ کیا کیا دیا مجھے

آواز ذرے ذرے سے آتی ہے طور کے
پھر ایک بار جلوۂ رنگیں دکھا مجھے

شرمندہ ہو گیا میں سلاسل کو توڑ کر
جس وقت یاد آگئی رسمِ وفا مجھے

خوش باشیوں نے کر دیا یلکھت برطرف
غم نے ہنسی خوشی سے جو اپنا لیا مجھے

میں کارواں کو چھوڑ کے تنہا نکل گیا
حالانکہ دی جرس نے صدا بارہا مجھے

بہکے قدم تو منزلیں آسان ہو گئیں
رحمت نے تیری بڑھ کے سہارا دیا مجھے

کہتے چلے وہ میرے جنازے کے ساتھ ساتھ
اس نے تو بعد مرگ بھی رسوا کیا مجھے

ٹکرا رہا ہوں موجوں سے کشتی میں اس لئے
بعد فنا ملے گی حقیقی بقا مجھے

محفل میں ان کی آج مجھے چھیڑ کر علیم
ساتی شوخ و شنگ نے رسوا کیا مجھے



غزل

جہاں گذرا میں ان کی رہگذر سے
کہ برسے تیر ہر دیوار و در سے

نظر ٹکرائی ہے جو نہی نظر سے
اڑیں چنگاریاں قلب و جگر سے

اسے کہتے ہیں حسنِ پردہ داری
سکونت دل میں اور پردہ نظر سے

ستارے کر گئے ہیں یہ وصیت
کہ دل بہلاؤں میں چاک سحر سے

علیم اک کعبہ بن کر رہ گیا وہ
جبیں ٹکرائی جس سنگِ در سے



غزل

زینتِ صد کعبہ ساقی تیرے میخانے میں ہے
کیا خمارِ اشکِ فرزاں تیرے مستانے میں ہے

گردشِ پیماں ہے یہ یا کہ رقصِ دختِ زر
درحقیقت زندگی کا لطف میخانے میں ہے

آنے کا وعدہ تو کرتے ہیں مگر آتے نہیں
انکو جانے لطف کیا یوں مجھ کو تڑپانے میں ہے

پیہم آتی ہے صدائے شوخیِ خلخالِ پا
اے دل مضطر سنبھل اب دیر کیا آنے میں ہے

چھپ چھپا کر حضرتِ زاہد کہیں پہونچے نہ ہوں
دھیمی دھیمی روشنی بے وقت میخانے میں ہے

اشک ریزاں شمع بھی ہے جب سے دیکھا ہے یہ حال
جانثاری اس قدر تھے سے پروانے میں ہے

ایک وہ دامن جو وابستہ تھا تجھ سے کل تلک
آہ کیسا پارہ پارہ آج ویرانے میں

عالم وحشت میں بھی تیرا تصور ہو بہو
کس بلا کی ہوشمندی تیرے دیوانے میں ہے

کر دیا ناکارہ ایسا عشق نے تجھ کو علیم
تو نہ دیوانے میں ہی ہے اور نہ فرزانے میں ہے



غزل

اُس کی نظروں سے تو دیکھے کوئی ویرانے کو
پھول ہی پھول نظر آتے ہیں دیوانے کو

دیکھئے حسن کی یہ شان ہے اللہ اللہ
خود وہ آئے ہیں سلاسل مجھے پہنانے کو

ناتواں دل پہ ہوئی جو رستم کی بارش
ہائے کیا کہئے مقدر کے پلٹ جانے کو

بارِ احساں سے سبکدوش نہ ہو دیوانہ
کردے تو آکے جو روشن مرے ویرانے کو

سو زِ غم سے مرا دل ایسا جلا یا اے علیم
پھونکتی جیسے ہے شمع کسی پروانے کو



غزل

رہ درسم ان سے مری کجا نہ سلام ہے نہ کلام ہے
مگر اڑتے اڑتے سنا ہے یہ کہ لبوں پہ میرا ہی نام ہے

یہ کہاں پہ آج میں آگیا یہ خدا یا کون مقام ہے
کہ جہاں ہر ایک پارسا بھی شریک گردشِ جام ہے

یہ تو مے کشی کا ہے مشغلہ ہے روا کبھی کبھی ناروا
”یہ تو ظرف ظرف کی بات ہے نہ حلال نہ حرام ہے“

مری بخودی مری بندگی مجھے قید و بند سے واسطہ
نہ یہاں رکوع و سجود ہیں نہ قعود ہے نہ قیام ہے

نہ علیم ہجر میں رو کبھی ہے سرشتِ دہریہی سہی
کبھی نور ہے کبھی تیرگی کبھی صبح ہے کبھی شام ہے



غزل

یہ نازِ حسن ہے نگہِ خشمگیں نہیں
خنجر بکف ادا ہے یہ چیں جنیں نہیں

نسریں نہیں کہ نسترن و یاسمیں نہیں
رنگِ بہار بھی ہے خزاں جب تمہیں نہیں

شرم و حیا کو ان کی شبِ وصل کیا کہوں
پیشانی خم ہے اور زباں پر نہیں نہیں

اللہ رے ناز کہتے ہیں آئینہ دیکھ کر
ہم ساتو زیرِ چرخ کوئی نازیں نہیں

بادہ ہے بادہ خوار بھی ہے ساقیا بھی ہے
سوئی مگر ہے بزم جو وہ نازیں نہیں

مجنوں کی آہ سے لرز اٹھی زمین نجد
محمل میں کیا وہ لیلی محمل نشیں نہیں

بالائے بام آ رخِ انور میں دیکھ لوں
اب تاب ہجر اے بت پردہ نشیں نہیں

کوندی جو چشمِ ناز سے دل پر مرے گری
برقِ نظر کا اور ٹھکانہ کہیں نہیں

دل تھاموں یا جگر کوسنبھالوں اب اے علیم
دونوں ہی مضطرب ہیں جو وہ نازیں نہیں



غزل

نہ کعبے کو جا اور نہ جا تو شوالے
الگ اک صنم خانہ دل میں بنالے

نہ ہو رہنما جس کی وارفتہ حالی
وہ کیسے نشاں اپنی منزل کا پالے

محبت کے طوفاں ہیں غم کے تھپیڑے
خدایا مری کشتیء دل بچالے

شریکِ غم ہجر کوئی نہیں ہے
ہیں یوں تو بہت جان و دل دینے والے

جفاوِستم ہیں یہ سب ان پہ تہمت
حقیقت میں ہیں وہ بڑے بھولے بھالے

کوئی ان سے کہہ دے نہ خنجر اٹھائیں
کہاں سے رہیں گے وہ پھر ناز والے

ستم پر مصر ہیں تو سینہ سپر ہم
وہ ہوں گے کوئی اور ڈرجانے والے

چمک جائیں پھر بجلیاں سی فضا میں
کوئی مسکرا کر جو گردن جھکالے

اٹھے میری محفل سے یہ سوچ کر وہ
منالیں گے بڑھ کر منالینے والے

چراغِ سحر ہچکیاں لے رہے ہیں
وہ کیا آئیں گے کہہ رہے ہیں اجالے

علیم ابرہو اور یہ میکش وہ ساقی
فضا ناچتی ہو چھلکتے ہوں پیالے

غزل

نوشۂ لوحِ مقدر کا ہم مٹانہ سکے
بچایا لاکھ سفینہ مگر بچانہ سکے

وہ روٹھ روٹھ کے لیتے ہیں امتحاں میرا
جو آزمانے چلے بھی تو آزمانہ سکے

کنارہ کش تو میں ہو جاؤں عشق سے لیکن
”یہی کہے گا زمانہ کہ ناز اٹھانہ سکے“

اسے گریز کہوں میں یا بدگمانی حسن
شب فراق تصور میں بھی وہ آنہ سکے

تو بجلیوں سے بھی کھیلو پر اس طرح اے علیم
کہ دل تو بہلے نشیمن پہ آنچ آنہ سکے



غزل

جب کہ ان کے جور در پر دہ نمایاں ہو گئے
ہم مثالِ آئینہ کچھ اور حیراں ہو گئے

کیا ہوا گر چاک دو اک جیب و داماں ہو گئے
باغبانِ توفیق اندوز بہاراں ہو گئے

جن پہ ہم کو ناز تھا وہ بھی گریزاں ہو گئے
اب تو بربادی ہی بربادی کے ساماں ہو گئے

مدتوں کھیلا کئے گرداب کے آغوش میں
آئے ساحل کی طرف اور نذرِ طوفاں ہو گئے

دامنِ انساں میں یہ جنسِ تعصبِ الا ماں
آج کے انساں ہی تنگِ وضعِ انساں ہو گئے

ہر بتِ کافر ہے ہم سے بدگماں خاطرِ علیم
ہم بھی اکثر سوچتے ہیں کیوں مسلمان ہو گئے

غزل

فریبِ حسنِ خیال کب تک شکستِ قلب و نظر کہاں تک
بشر کے دھوکے میں رہ سکے گی بھلا نگاہِ بشر کہاں تک

نگاہِ برہمِ ادائیں باغی چڑھائے تیور کھنچے کھنچے سے
یہ مانتا ہوں اٹھائے جاتے ہیں نازِ بیشک مگر کہاں تک

پا نہ کر دے کہیں قیامت لہو کی گرمی بڑی بلا ہے
دعائیں آخر اثر کی خاطر رہیں گی دریوزہ گر کہاں تک

پہاڑ توڑے ہیں اک اشارے میں پختہ کارانِ عاشقی نے
جو آج بھی عزمِ دل ہو محکم نہ دے گی دیوارِ در کہاں تک

وہ برق چمکی یہ شعلہ بھڑکا یہ لُحْن بگڑی وہ ساز ٹوٹا
علیم جاگو علیم جاگو رہو گے تم بے خبر کہاں تک



غزل

ہوائے نجد بدلی قیس کا دیوانہ پن بدلا
سرشتِ بے ستوں بدلی مزاج کو کہن بدلا

خزاں کے دور میں کانٹوں سے بھی کتنی محبت تھی
بہار آئی دماغِ عندلیبانِ چمن بدلا

تھی بنیادِ جگر سوزی پہ تعمیر وفاداری
جو وضعِ شمع بدلی تو پتنگوں کا چلن بدلا

تپشِ اندوزِ نبضِ پائمالی عناصر ہے
خدا کی مصلحت بدلی بشر کا حسنِ ظن بدلا

بہار آنے سے پہلے رند توبہ توڑ دیتے تھے
بہار آئی تو رنگ ساغرِ توبہ شکن بدلا

طفیل اہتمام اختلافِ کعبہ بتخانہ
یقین شیخ بدلا اعتقاد برہمن بدلا

علیم ایسی ہوائے انقلاب آئی زمانے میں
کہ طرز گفتگو بدلی مذاقِ فکر و فن بدلا



غزل

اُترا اُترا سا ہے کچھ کچھ رخِ تاباں ان کا
راس ان کو بھی نہیں آیا گلستاں ان کا

ان کی آنکھوں سے تو کچھ اور پتہ چلتا ہے
اب تو مشکوک نظر آتا ہے پیاں ان کا

ان کا ہر ظلم روا خانہ براندازِ چین
پھول ان کے ہیں بہار ان کی گلستاں ان کا

خون کے داغ چھپائے سے کہیں چھپتے ہیں
ہم نشیں لاکھ سمیٹے رہیں داماں ان کا

جب ابھی سے ہیں یہی رنگ تو کیا کہئے علیم
پھر تو آگے ہے بس اللہ نگہباں ان کا



غزل

سر جہاں بھی جھکے والہانہ سمجھ
جو ملے نقشِ پا آستانہ سمجھ

نامِ دِن کا نہ لے دن کہاں شب کہاں
صبح کو اک چراغِ شبانہ سمجھ

چند سانسوں کو کہتے نہیں زندگی
زندگی اب کہاں آب و دانہ سمجھ

شعبہ تھی حقیقت کی جھوٹی سمجھ
اس حقیقت کو اب اک فسانہ سمجھ

ایک حسنِ نظر زاوے مختلف
خاص نظروں کو بھی عامیانہ سمجھ

چند تنکوں کی رسمِ کہن پر نہ جا
جس شجر پر اتر آشیانہ سمجھ

انقلاباتِ حاضر کے پیشِ نظر
ہر نفس پر علیم اک زمانہ سمجھ



غزل

جسے دیکھو وہی منزلِ نشاں ہے
کسے کہدوں تو میرِ کارواں ہے

مری بے خانگی پر ہنسنے والو
مری بے خانگی رشکِ مکاں ہے

سرِ منزل ہر اک سے پوچھتا ہوں
کدھر جاؤں مری منزل کہاں ہے

خوشا منصوبہ ہائے پارسائی
کہ اجڑی اجڑی بزمِ مکشاں ہے

عنادل کی زباں کو نہ الزام
چمن کا پتہ پتہ نوحہ خواں ہے

ستم کا ہی ستم اے کاش ہوتا
کرم تو اب نصیبِ دشمنان ہے

سنبھل کر اے نگاہِ نخوتِ حسن
زمین کے دم سے اوجِ آسمان ہے

خبردار التفاتِ ایک لمحہ
مرے اشکوں کی قیمتِ جاوداں ہے

جھکا سر تو بہ شانِ سرِ فرازی
کہ سرِ بالائے سنگِ آستان ہے

اڑاتے ہیں تھیڑے چٹکیوں پر
یہاں ہے اور کبھی کشتی وہاں ہے

علیم اب آپ کو کچھ ہوش آیا
کہ اب بھی اعتمادِ دوستاں ہے؟



غزل

مسکرانا نہیں غم اٹھانا تو ہے
زندگانی نہیں اک بہانہ تو ہے

آشیانہ اگر جل گیا جل گیا
میری شاخ گلِ آشیانہ تو ہے

اپنی اپنی جہیں اپنا اپنا یقیں
چند سجدے سہی آستانہ تو ہے

میں نے کھولی زباں بولے منہ پھیر کے
کسکی کسکی سنوں اک زمانہ تو ہے

رات گزری سویرا ہوا پو پھٹی
پھر بھی آنکھوں میں کیفِ شبانہ تو ہے

پھول کا غم نہیں صدمہ آستاں
قلبِ بلبل میں کوئی فسانہ تو ہے

جھک گیا پرچم اعتمادِ نظر
آج نیچی نظر فاتحانہ تو ہے

کچھ بھی ہو پر علیم آپ کی شاعری
پشتِ غفلت پہ اک تازیانہ تو ہے



غزل

ان سے ٹکرا گئی جو اچانک نظر
زندگی رہ گئی جیسے پر تول کر

سوچتا ہوں کہوں کس سے دردِ جگر
ایک وہ ہیں تو ان کا مزاج عرش پر

اللہ اللہ اک یہ ہیں مختاریاں
درد بخشے وہی اور وہی چارہ گر

اک فنا بھی بقاء اک بقا بھی فناء
زندگی بیکران زندگی مختصر

چند تنکے وہ کیا تھے ارے بجلنیو
اب نشیمن بنائیں گے ہر شاخ پر

سیکڑوں غم ہیں پھر بھی علیم آج کل
زندگی گنگناتی ہے آٹھوں پہر

غزل

دوپٹے کو کاجل سے کالا کرو تم
محبت کو جی بھر کے رسوا کرو تم

خفا مجھ سے جب ہو تو بگڑا کرو تم
کلیجے پہ پتھر نہ رکھا کرو تم

نگاہوں کی یہ تشنگی بجھ نہ جائے
مرا مشورہ ہے کہ پردہ کرو تم

میں چپ ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے
مری سادہ لوجی کا سودا کرو تم

اگر تم کو پیاری ہیں اپنی یہ خوشیاں
مصیبت زدوں کو نہ چھیڑا کرو تم

نگاہیں ملانے کا الزام مت دو
مری سمت خود ہی نہ دیکھا کرو تم

مرے پیار سے مطمئن تم نہیں ہو
کسی چڑھتے سورج کا پیچھا کرو تم

مری سانس کی تم کو خوشبو ملے گی
ہواؤں کے جھونکوں کو چوما کرو تم

مرے دل میں ہیں آرزوؤں کی قبریں
اکیلے دکیلے نہ آیا کرو تم

تمہارے مقدر میں خوشیاں لکھی ہیں
تمہیں نیند آئے تو سویا کرو تم

علیم اس کے ہنسنے کا مطلب یہی ہے
غزل پھول سی اس پہ لکھا کرو تم



غزل

او ستم گر تجھے کچھ خبر ہے
کتنی قاتل یہ ترچھی نظر ہے

تم کو ملنے میں دنیا کا ڈر ہے
میری دنیا تو زیر و زبر ہے

زلف روئے پر انوار پر ہے
رات کی گود میں دوپہر ہے

بات کیا ہے ارے کچھ کہو تو
آج کیوں بہکی بہکی نظر ہے

زہر خندہ ہیں گل بلبلیں چپ
کون جانے یہ کیسی سحر ہے

آئینے پر نظر رکھنے والے
آج دنیا کی تجھ پر نظر ہے

میں جدھر ہوں خدا اس طرف ہے
وہ جدھر ہیں خدائی ادھر ہے

دل دھڑکتا ہے اللہ مالک
ٹوٹی کشتی ہے خاصا سفر ہے

صرف اپنے سے میں بے خبر ہوں
ورنہ دنیا کی مجھ کو خبر ہے

آدمی ہے مسافر کی صورت
اور دنیا غبارِ سفر ہے

سب سے منزل پہ میں پوچھتا ہوں
کوئی بتلائے منزل کدھر ہے



غزل

نظر ڈالی جو بالائے نشیمن ناگہاں ہم نے
تو منڈلاتی ہوئی دیکھیں ہزاروں بجلیاں ہم نے

کہاں سے کر لیا تھا اعتبارِ دوستاں ہم نے
خود اپنے ہاتھ سے پھونکا ہے اپنا آشیاں ہم نے

زمانہ یہ زمانہ امتحاں لینے چلا اپنا
لئے ہیں جس زمانے کے ہزاروں امتحاں ہم نے

یہ دنیا جانتی ہے کارِ زارِ زندگانی میں
ہزاروں بار ٹھکرا دی حیاتِ جاوداں ہم نے

ہماری خامشی سے یہ سکوں ہے صحن گلشن میں
قیامت جاگ اٹھے گی اگر کھولی زباں ہم نے

علیم ارض و سما شاہد ہیں اس روشن حقیقت کے
ہمیشہ بجلیوں کے سر پہ رکھے آشیاں ہم نے



غزل

تمہارے در پہ جو ہستی مٹائے جاتے ہیں
وہ اپنا بگڑا مقدر بنائے جاتے ہیں

کشش ہے ایسی کہ عالم پہ چھائے جاتے ہیں
نظر کے بعد وہ دل میں سمائے جاتے ہیں

جوتاب لائیں سکتے ہیں ان کے جلوں کی
انہیں کو حسن کے جلوے دکھائے جاتے ہیں

انہیں کا عکس نظر آرہا ہے شیشے میں
بہار بن کے جو ساغر پہ چھائے جاتے ہیں

ہمارے ضبطِ محبت کو کوئی کیا جانے
لگی ہے آگ مگر مسکرائے جاتے ہیں

وہیں پہ ہوگا علیم آج امتحاں اپنا
جہاں کہ خون کے دریا بہائے جاتے ہیں



غزل

کبھی نگاہ کرم کی ادھر نہیں ہوتی
ہمارے حال کی ان کو خبر نہیں ہوتی

شبِ فراق بھی اب مختصر نہیں ہوتی
ستارے ڈوب گئے اور سحر نہیں ہوتی

تم ہی بتاؤ کہاں لے کے جائیں دنیا میں
دوائے درد تمہیں سے اگر نہیں ہوتی

ہمارے ضبطِ محبت کو کوئی کیا جانے
لگی ہے آگ مگر چشم تر نہیں ہوتی

پڑا ہوا ہوں ترے در پہ میں جگر تھامے
کہ تجھ کو اس پہ بھی میری خبر نہیں ہوتی

وہ بیخودی ہے کسی کے خیال میں اے علیم
کہ مجھ کو شام و سحر کی خبر نہیں ہوتی

غزل

یہ داستانِ درد کسی بے نوا کی ہے
تصویرِ بیوفائی کسی بے وفا کی ہے

خواہش نہ میرے دل کو زر و کیمیا کی ہے
گر آرزو ہے کچھ تو اُسی بیوفا کی ہے

جور و جفاؤ ظلم و ستم غصہ و عتاب
کیا وسعتِ نگاہ بھی اس دلربا کی ہے

ہم کو نہیں ہے عرضِ تمنا کی کیوں مجال
غیروں پہ جب کہ لطف و عطا دلربا کی ہے

ٹھکرا کے میری قبر کو وہ مسکرا دیئے
قسمت کی شان ہے کہ یہ خوبی ادا کی ہے

سب جانتا ہوں جو کہ ہوئی سازشِ عمل
”گلشن میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے“



غزل

جانا میں بند کردوں کیوں اس کی انجمن میں
تھوڑا بہت لہو ہے اب بھی مرے بدن میں

اے آئینہ فروشو کیوں چپ ہو کچھ تو بولو
ہم کیسے لگ رہے ہیں زخموں کے پیرہن میں

یہ شیخ پر ہیں آخر کیوں پیار کی نگاہیں
اللہ بس گیا ہے کیا قلبِ برہمن میں

یہ طے نہیں ہے کس کے قبضے میں صبح ہوگی
آپس میں لڑ رہے ہیں سورج مرے وطن میں

غزلیں علیم میری مقبول کیوں نہ ہوں گی
محبوب کے بدن کی خوشبو ہے میرے فن میں



غزل

ہجر کا صرف ذکر چلتا ہے
کروٹیں کون اب بدلتا ہے

مجھ سے بے انتہا وہ جلتا ہے
جس کا قد مجھ سے کم نکلتا ہے

اختلافات کے خلاف ہیں جو
ان میں بھی اختلاف چلتا ہے

اسکو اللہ بے وفا نہ کہو
وہ وفا داریاں بدلتا ہے

پیش آئیگا حادثہ کوئی
دل اگر بے محل مچلتا ہے

کیا اسے شک ہے اپنی صورت پر
آئینہ روز وہ بدلتا ہے

ظلمتوں سے کرو جہاد علیم
ایسے سورج نہیں نکلتا ہے



غزل

سب کے ایمان کو ڈر ہو یہ ضروری تو نہیں
سب پہ ساقی کی نظر ہو یہ ضروری تو نہیں

آج دنیا پہ محبت کا چالو جادو
کل محبت میں اثر ہو یہ ضروری تو نہیں

آپ للہ اُجالوں کو نہ برباد کریں
میری دنیا میں سحر ہو یہ ضروری تو نہیں

حسن کو کیوں نگہ شوق سے آخر ہے گریز
پھول کو دھوپ کا ڈر ہو یہ ضروری تو نہیں

مسئلہ تشنگی دید کا حل ہونے سے
مطمئن ذوق نظر ہو یہ ضروری تو نہیں

تم غزل خونِ جگر سے ہی لکھو چاہے علیم
شاملِ اہل ہنر ہو یہ ضروری تو نہیں

غزل

مری طرف سے کشیدہ خاطر اگر تمہاری نظر نہیں ہے
تو پھر یہ سن لیں زمانے والے مجھے کسی کا بھی ڈر نہیں ہے

ہماری تقدیر ہی میں شاید نوازشِ چارہ گر نہیں ہے
سبھی کو درِ جگر ہے لیکن ہمیں کو درِ جگر نہیں ہے

اے چشمِ زرگس خدا تجھے اک کرنِ بصیرت کی بخش دیتا
چمن بہت جانفزا ہے لیکن یہاں کوئی دیدہ ور نہیں ہے

ہزار جلوں سے کم نہ ہوں گے جو دیکھ ڈالے ہیں میں نے لیکن
ہزار میں سے کوئی بھی جلوہ بقدرِ ذوقِ نظر نہیں ہے

نگاہِ مرکوزِ شمع پر ہے سوال مجھ سے وہ کر رہے ہیں
جو جل مرے شمع پر پتنگا گناہ تو شمع پر نہیں ہے

کوئی نہ بھانپے گا اپنے غم کو ہم اشک پیتے ہیں تم بھی پی لو
ہمارا دامن بھی تر نہیں ہے تمہارا دامن بھی تر نہیں ہے

زباں سے گر کوئی لفظ نکلا زباں تو تم کاٹ لو گے لیکن
معاف کرنا تمہارا قابو دلوں کی آواز پر نہیں ہے

طوائتیں اس کی کون سمجھے درازیاں اس کی کون جانے
یہ شامِ غم ہے علیم اپنی یہ گیسوئے تاکر نہیں ہے



غزل

اندھیرے جتنے ہیں اُن سب کو بے اثر کر دو
نقاب اٹھا کے زمانے میں دوپہر کر دو

کچھ ایسی شکل میں یہ زلفِ تاکمر کر دو
درازیِ شب ہجراں کو مختصر کر دو

تم ایک کام کرو دور اپنا ڈر کر دو
و گرنہ ختم محبت کا یہ سفر کر دو

گلے لگا لو قلم یا تو میرا سر کر دو
مجھے تم آج بہر حال معتبر کر دو

جو چاہتے ہو کہ پتھر کا کوئی نام نہ لے
تو سارے شہر کے لوگوں کو شیشہ گر کر دو

ہم اپنی عرضِ تمنا پہ خود ہیں شرمندہ
ہماری بھول کو اللہ در گذر کر دو

میرے فسانہ غم کا تو یہ نہیں مطلب
تم اپنے ریشمی آنچل کو تر بتر کر دو



غزل

خوبیاں بیکار تھیں آنچل اگر سر پر نہ تھا
آج کل وہ سب ہے بہتر جو کبھی بہتر نہ تھا

اتنا غم انگیز کوئی دوسرا منظر نہ تھا
میرے آنسو بہہ رہے تھے اور اثر اس پر نہ تھا

ہو گئے بدنامیوں کے بعد آخر کیوں جدا
اب تو دونوں کو زمانے میں کسی کا ڈر نہ تھا

شر کے موسم میں بھی میں کرتا رہا تلقینِ خیر
میری مجبوری یہ تھی میں خود کفیلِ شر نہ تھا

بدگمانی کی وہ چادر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی
اس نے جب الٹی ہے میری آستینِ خنجر نہ تھا

گفتگو کرنے سے ہم کتر گئے خود بھی علیم
اس کا لہجہ اصل میں تہذیب کے اندر نہ تھا

غزل

وہ بے وفا ہے نہیں آیا اس کو آنا تھا
میں باوفا ہوں تو شمعیں مجھے جلانا تھا

صنم کے پاؤں پہ سجدہ تو کفر ہے لیکن
بڑا حسین مرے کفر کا زمانہ تھا

میں اس سے ترک تعلق پہ ہو گیا مجبور
سلوک اس کا محبت میں جارحانہ تھا

نقاب کیسے سرکتی نہ تیرے چہرے سے
تیرے نصیب میں جب نیکیاں کمانا تھا

ہماری دل شکنی پرہو کیوں پشیمائیں تم
وہ جام ٹوٹ گیا جس کو ٹوٹ جانا تھا

وہ مجھ کو دیکھ کے ہنستا تھا کیوں میں جان گیا
اسے تو صرف مجھے روشنی میں لانا تھا

مری غزل پہ ہیں وہ کیوں تنے تنے سے علیم
مری غزل پہ جنہیں جھوم جھوم جانا تھا



غزل

کوئی آنکھ گر دکھائے تم انھیں کے پاس آنا
تمہیں کوئی بھی ڈرائے تم انھیں کے پاس آنا

کوئی فکر پیش آئے تم انھیں کے پاس آنا
کوئی غم نقاب اٹھائے تم انھیں کے پاس آنا

کوئی لاکھ مسکرائے تم انھیں کے پاس آنا
کوئی زلف گر ہلائے تم انھیں کے پاس آنا

یہ جلائی ہیں جو تم نے نئی آرزو کی شمعیں
کوئی شمع جو بجھائے تم انھیں کے پاس آنا

ابھی مختلف طرح کے تمہیں مشورے ملیں گے
جو نہ کچھ سمجھ میں آئے تم انھیں کے پاس آنا

ابھی کچھ دنوں چلے گی یہ ہوئے بدگمانی
کوئی شک جو دل میں آئے تم انہی کے پاس آنا

وہ قسم جو کھا چکے ہو کوئی مصلحت سمجھ کر
وہ قسم جو ٹوٹ جائے تم انہیں کے پاس آنا

یہ سحر اگر ہوئی ہے تو تمہاری محنتوں سے
جو نہ گھر میں دھوپ آئے تم انہیں کے پاس آنا

کبھی بھولنا عزیزو نہ علیم کی وصیت
وہ خدا کے گھر بھی جائے تم انہیں کے پاس آنا



غزل

فضاؤں میں دامنوں کے ٹکڑے مثالِ پرچم اڑا کریں گے
یہ شہر گل ہے یہاں ہمیشہ جنوں کے سکے چلا کریں گے

جو آج ہم سے ہیں بے تعلق جو آج آنکھیں چرا رہے ہیں
ہم انکے ذہنوں میں تا قیامت سوال بنکر پھرا کریں گے

جلیں بھلا کیا تمھارے غم میں زمانہ محرومِ روشنی ہے
ہمیں ہے جلنا تو راستے کا چراغ بن کر جلا کریں گے

یہ زخمِ دل ہے مضر ہیں اس میں شرارت آگیاں نظر کے مرہم
جو خود ہی بیمارِ کجروی ہیں وہ خاک میری دوا کریں گے

ہم انکی زلفوں سے جوڑ دیں گے علیم کالی گھٹا کے قصے
ہم انکے عارض کی چاندنی میں گلوں کے نغمے لکھا کریں گے



غزل

انا کے ہاتھوں کبھی ہم نہ شاد کام رہے
نہ خوش خواص رہے اور نہ خوش عوام رہے

کبھی نہ زیرِ وزیرِ پیار کا نظام رہے
حدودِ ضبط میں گرجوشِ انتقام رہے

ستم گروں کی محبت میں جھومنے والو
تمام عمر تڑپنے کا انتظام رہے

جنابِ شیخ نہ رندوں پہ اعتراض کریں
ہمارے ساتھ فرشتے شریکِ جام رہے

کسی کا سجدہ خدا کے سوا نہیں لیکن
بتوں کا تھوڑا بہت دل میں احترام رہے

جونیک تھے انہیں شرمندگی اٹھانی پڑی
بدی کے جتنے تھے پتلے وہ نیک نام رہے

ہمارے شہر کی مسجد کا حال مت پوچھو
جو مقتدی سے بھی پیچھے تھے وہ امام رہے

خدا کی شان خود آنکھوں سے دیکھ لے انساں
صنم کے کوچے میں کچھ دن اگر قیام رہے

اڑے علیم فضاؤں میں وضعدار پرند
جو دانے دانے پہ مرتے تھے زیرِ دام رہے

09-09-1973



غزل

دل و نگاہ پہ پابندیاں وہی ہیں ابھی
حق آشنا کے لئے سولیاں وہی ہیں ابھی

سرِ نیاز ہے پائے حبیب پر لیکن
دل و نظر کی غلط فہمیاں وہی ہیں ابھی

ہمارے پیار کے چرچے تو ہر طرف ہیں مگر
ہمارے بچ میں بدمزگیاں وہی ہیں ابھی

خموش لاکھ سہی بیڑیوں سے اہلِ چمن
رگوں میں خون کی سرگرمیاں وہی ہیں ابھی

گلوں سے کون اداسی کی داستاں پوچھے
نسیم صبح کی اٹھکھیلیاں وہی ہیں ابھی

یہ سچ ہے آج گناہوں میں مشکلیں ہیں مگر
سلیقہ مندوں کو آسانیاں وہی ہیں ابھی

سجائیں لاکھ تبسم کے پھول ہونٹوں پر
علیم قلب کی بے چینیاں وہی ہیں ابھی

24-07-1973



غزل

تیری پلکوں پہ تارے سجائیں گے ہم تیری آنکھوں کی نیندیں اڑائیں گے ہم
تجھ کو محسوس ہوں گے، ملیں گے نہیں بن کے خوشبو ترے گھر میں آئیں گے ہم

خون اس نے ہمارا کیا ہے مگر نام اس کا نہ ہرگز بتائیں گے ہم
اس کی آنکھیں خجالت سے جھک جائیں گی روشنی میں کہاں اس کو لائیں گے ہم

بعدِ ترکِ تعلق کبھی بھول کر دل نہ اک دوسرے کا دکھائیں گے ہم
چاردن میں ہمیں بھول جاؤ گے تم چاردن میں تمہیں بھول جائیں گے ہم

نام لکھ کر ترا اپنی دیوار پر خوب سینے سے اس کو لگائیں گے ہم
آتشِ شوق جیسے بجھائے بنی آتشِ شوق ویسے بجھائیں گے ہم

راہِ تکتا ہے جب مقصدِ زندگی کیسی مایوسیاں کیسی آزر دگی
وہ نہ آئے نہ آئے مگر کم سے کم سو برس یونہی شمعیں جلا لیں گے ہم

ہم کو طوفان کا ہے نہیں کوئی ڈر ہے بھروسہ ہمیں صرف اللہ پر
ڈوبنا ہی لکھا ہے مقدر میں گرتب تو ساحل پہ بھی ڈوب جائیں گے ہم

اپنی شانِ انا تو گرے گی نہیں کوئی تدبیر اس میں چلے گی نہیں
ساقِ فولاد ہر گز جھکے گی نہیں زور دو گے اگر ٹوٹ جائیں گے ہم

ہم کو کرنا نہیں شکوہ تشنگی ہم کو ہوگی نہیں حاجتِ میکشی
ہم کو اتنی نشیلی پلا دی گئی حشرتک ہوش میں اب نہ آئیں گے ہم

ہم بضد ہیں علیم اس کے دیدار پر اس نے جھنجھلا کے پردہ اٹھایا اگر
تب تو بے انتہا فکر کی بات ہے کیسے سورج سے آنکھیں لڑائیں گے ہم



غزل

غم میں بھی تبسم مرے ہونٹوں پہ سجا ہے
دنیا سے الگ میرے تڑپنے کی ادا ہے

آرام پسندوں کو نہیں اس کا پتہ ہے
کانٹوں کے بچھونے پہ جو سونے میں مزا ہے

دل درد سے بیجاں ہے، غم حد سے سوا ہے
اللہ کی رحمت ہے، حسینوں کی دعا ہے

اب آؤ کریں ختم یہ آپس کی شکایت
ہم دونوں میں ہے کون جو پابندِ وفا ہے

طوفان سے پریشان ہیں کیوں اہلِ سفینہ
طوفان اگر ہے بھی تو ساحل کی عطا ہے



غزل برائے عید

پیار کی لے میں ہو نغمہ زن عید میں
ہر جہیں کی مٹا دو شکن عید میں

کاٹ دو بغض و نفرت کی ساری جڑیں
پھونک دو نفرتوں کے چمن عید میں

پیار کا ساری دنیا کو پیغام دو
بانٹ دو عید کا بانکپن عید میں

کوئی چہرہ تبسم سے خالی نہ ہو
کوئی دامن نہ ہو بے کرن عید میں



غزل برائے عید

لکھا کے آئے ہوں جب غم تو کیسے عید کریں
جو زندگی ہو جہنم تو کیسے عید کریں

کہاں کا جشنِ بہاراں کہاں کی بزمِ طرب
بچھی ہو جب صفِ ماتم تو کیسے عید کریں

نگاہِ یار پہ موقوف ہیں سبھی خوشیاں
نگاہِ یار ہو برہم تو کیسے عید کریں

پیامِ عید نیا پیرہن ہے تن پہ مگر
جگر کا درد نہ ہو کم تو کیسے عید کریں

جدھر نگاہ اٹھاؤ ہے روشنی لیکن
چراغِ دل جو ہو مدھم تو کیسے عید کریں



غزل برائے عید

زندگی بیتی ہے غم دیکھا کئے ہم عید میں
برکتِ لوح و قلم دیکھا کئے ہم عید میں

کون سنتا کون لیتا اپنی باہوں کے سلام
صورتِ اہل کرم دیکھا کئے ہم عید میں

ان کی زلفوں کا تصور ذہن میں باندھے ہوئے
سنبلِ پیچاں کے خم دیکھا کئے ہم عید میں

یا خدا زندہ رہے پھولوں کے چہروں کا نکھار
ان کی صورت کم سے کم دیکھا کئے ہم عید میں

اپنے خوابوں کی حسیں وادی کے رنگیں فرش پر
آپ کے نقشِ قدم دیکھا کئے ہم عید میں



غزل برائے ہولی

وہ اتنے پیار سے پیش آرہے ہیں ہولی میں
ہمارے ہوش اڑے جارہے ہیں ہولی میں

چمک رہا ہے تبسم سے چاند سا چہرا
ہمیں تو تارے نظر آرہے ہیں ہولی میں

گلے وہ ملتے ہیں ہر شخص سے سرِ محفل
حیا سے ہم تو گڑے جارہے ہیں ہولی میں

ہمیں ہے سخت تعجب جناب واعظ پر
بغل بتوں سے وہ گرمارہے ہیں ہولی میں

ہمیں نہیں ہے پتنگوں کے رنگ سے مطلب
ہم الجھی ڈور کو سلجھا رہے ہیں ہولی میں

محبتوں کا زمانہ چلا گیا اے علیم
روایتیں ہیں جو دوہرا رہے ہیں ہولی میں

غزل برائے ہولی

یا تو تم ترک کر دو خدا کے لئے اس تغافل کی عادت کو ہولی کے دن
 یا تو میں اپنے ہاتھوں سے خود پھونک دوں اپنے خوابوں کی جنت کو ہولی کے دن
 ان کے لفظوں سے حالانکہ نسبت نہیں ان کے چہرے کی رنگت کو ہولی کے دن
 پھر بھی ہم سے نہ رکھتے اٹھاتے بنے اپنے دل کی مسرت کو ہولی کے دن
 آپ ہی سوچئے میں کہاں پھینک دوں آپ کے غم کی دولت کو ہولی کے دن
 آپ اوروں میں تقسیم کر دیجئے میرے حق کی مسرت کو ہولی کے دن
 مسکراہٹ کی شمعوں سے چمکائیے اپنی تاریک قسمت کو ہولی کے دن
 شادمانی کی پوشاک پہنائیے اپنے گھر کی مصیبت کو ہولی کے دن
 ان کی بانہوں نے آواز دی ہے مجھے اب تو ترک تعلق نہ مجھے سے چلے
 میرے اللہ تو مجھ سے اب چھین لے میرے احساسِ غیرت کو ہولی کے دن
 بس بہت ہو چکا اب نہ کترائیے آئیے میرے سینے سے لگ جائیے
 زندہ رکھنا ضروری ہے ہر حال میں پیار کی اس علامت کو ہولی کے دن
 اے علیم اب نہیں ہے تمنا کوئی ان کی خوشیوں میں پنہا ہے میری خوشی
 میں نے نعموں کے دو پھول پہنادیئے ان کی محفل کی زینت کو ہولی کے دن

غزل برائے ہولی

شرم کی بات ہے کون اس میں بھلا، مجھ سے اتنا نہ کتراؤ ہولی کے دن
میرا ذمہ اگر کوئی انگلی اٹھے میرے، سینے سے لگ جاؤ ہولی کے دن
جور کی تم سے عادت نہ چھوٹے اگر، کم سے کم کچھ بدل جاؤ ہولی کے دن
آگ ہے میری تقدیر ہی میں اگر، آگ کے پھول برساؤ ہولی کے دن
بانگِ ناقوس میں بھی ہے سنجیدہ پن، ہے ازاں میں بھی ٹہراؤ ہولی کے دن
آج شیخ و برہمن کو جیسے بنے، ایک مرکز پہ لے آؤ ہولی کے دن
تم کو آخر نہ کیسے میں آواز دوں، بات یہ ہے کہ میں دل سے مجبور ہوں
راز میرے چھپائے چھپے گا نہیں، چاہے سولی پہ چڑھو آؤ ہولی کے دن
اس تغافل پہ اک روز پچھتاؤ گے، میری پرچھائیں تک بھی نہیں پاؤ گے
چاہے ہر سال تم اپنے کا جل بھرے، ان کٹوروں کو چھلکاؤ ہولی کے دن
اک تو امن و محبت کا تیوہار ہے، پھر علیم اہل محفل کا اصرار ہے
رکھ کے پتھر غم دل پہ جیسے بھی ہو، گیت محفل میں برساؤ ہولی کے دن



”یومِ آزادی ۳۷ء“

عمر بھر خشک اک آنسو نہ ہو آزاد تو ہیں
چین چاہے کسی پہلو نہ ہو آزاد تو ہیں

ہم ہمیشہ سے اہنسا کے پجاری ٹھہرے
ٹھیک ہے قوتِ بازو نہ ہو آزاد تو ہیں

آسمانوں کو سنائیں گے ہم اپنے نغمے
اپنی آواز میں جادو نہ ہو آزاد تو ہیں

لب پہ ہے گوتم وچشتی کا تبسم اے علیم
روح میں پیار کی خوشبو نہ ہو آزاد تو ہیں



”یومِ آزادی چھبیسواں سال“

وجد آگیاں بہاروں کی منزل ملے اپنے گلشن کو چھبیسواں سال ہے
 اس کا مطلب ہے یہ پارا پارا ہوئے تیرے دامن کو چھبیسواں سال ہے
 کوئی آہٹ نہیں کوئی سایہ نہیں جس کو آنا تھا اب تک وہ آیا نہیں
 آرزوؤں کی شمعوں سے روشن کئے دل کے آنگن کو چھبیسواں سال ہے
 ہم فریب خوشی میں کہاں آگئے درد کم ہو گیا زخم کمبھلا گئے
 ٹوٹ کر دل کی دھرتی پہ بر سے ہوئے غم کے ساون کو چھبیسواں سال ہے
 عہدِ فضل بہاراں کی تقدیر ہم جان تخریب ہم جان تعمیر ہم
 صحنِ گلشن میں بنتے بگڑتے ہوئے ہر نشیمن کو چھبیسواں سال ہے
 بات کس طرح آخر بناؤں گا میں اپنی منزل کو کیا منھ دکھاؤں گا میں
 وقت کی نبض کا ساتھ دیتے ہوئے میری دھڑکن کو چھبیسواں سال ہے
 میرے دل کو نہ اب تک تسلی ملی اے علیم اپنی بے چینیاں ہیں وہی
 چھو کے کہہ دوں گا کیسے پیچاں کو میں میری الجھن کو چھبیسواں سال ہے





ناز آتا ہے حجاب آتا ہے ڈر آتا ہے
ہائے اس شوخ کو کیا کیا نہیں کر آتا ہے
دیکھ لیتا ہوں میں جو ابروئے جاناں کی شکن
کل جو ہونا ہے مجھے آج نظر آتا ہے
میرے اس آنے کی تاخیر سے تم کیوں ہو اداس
صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آتا ہے



یہ بات الگ ہے گلوں پر نکھار ہے کہ نہیں
سوال یہ ہے کہ وہ خود بہار ہے کہ نہیں
نہ تیرے آنے کی امید ہے نہ دل کو قرار
میں کیا کروں کہ ترا انتظار ہے کہ نہیں
میں سوچتا ہوں بتوں سے جو رنج پہونچا ہے
وہ رنجِ رحمتِ پروردگار ہے کہ نہیں



جو میرے قلب میں جائے گزریں ہے
 اسی بستی کے اندر ہے یہیں ہے
 وہ بیحد خوبصورت ہے حسیں ہے
 جواب اس کا زمانے میں نہیں ہے
 بظاہر میں کہیں ہوں وہ کہیں ہے
 باطن فاصلہ بالکل نہیں ہے



خوشا کہ دیکھ رہا ہوں یہ کون وقتِ سعید
 کہ ہے زبانِ فلک پر زمین کی تائید
 فسانہ غم ہستی نہ ختم ہو شائد
 کہ مختصر سی کہانی طویل تر تمہید
 غم و نشاط سمٹ آئے ایک مرکز پر
 کسی کی شامِ محرم، کسی کی صبحِ عید
 تمیزِ خالق و مخلوق آج مشکل ہے
 ہے آستانِ صنم پر جبین سا توحید

قطعات

عید ۱۹۵۴ء

میرے لب پر ہنسی تو آئی نہیں
 زندگی میری مسکرائی نہیں
 ایسے آنے کو آئی عید مگر
 حسبِ دلخواہ عید آئی نہیں



اہلِ سرمایہ کے لئے اب تک
 عیش و عشرت کا بندوبست ہے عید
 اور مزدور کے لئے بھی ہنوز
 ایک مانی ہوئی شکست ہے عید



ہائے اے عید میری پیاری عید
 چھوڑ دے میرے صبر کے اوراق
 اے غضب منتشر نہ کر ظالم
 مت اڑا دیکھ غمزدوں کا مذاق

قطرہ

پھول کے ساتھ بادِ صبا بھی بکی
 بعض اہلِ وفا کی وفا بھی بکی
 کتنے لوگوں کو معلوم ہے اے علیم
 عالموں کاملوں کی دعا بھی بکی

قطرہ

علیم اپنی غزل جب تم سناتے ہو تو لوگوں کو
 رگوں میں ایک بجلی موجزن معلوم ہوتی ہے
 کرم آگیاں نظر کی برکتیں ہم سے کوئی پوچھے
 تمنا اب تو چوتھی کی دلہن معلوم ہوتی ہے

قطرہ

میں گلستاں سے گزر جاؤں بیاباں ہو جائے
 تم بیاباں میں قدم رکھ دو گلستاں ہو جائے
 مرے رونے پہ بھی لے سانس نہ ظالم دنیا
 تم ذرا ہنس دو تو کونین غزلخواں ہو جائے

قطرہ

پیار کی فضاؤں میں گھوم لو کہ ہولی ہے
دوستوں کی بانہوں میں جھوم لو کہ ہولی ہے
ہر شکن مٹانا ہے آج ان کے ماتھے کی
دشمنوں کے گالوں کو چوم لو کہ ہولی ہے

قطرہ

بن کے جشن حیات عید آئی
جھوم اٹھی کائنات عید آئی
غم نصیبوں کے گھر جب آئی مگر
لے کے کچھ حادثات عید آئی

قطرہ

اب تو بیکار دوا اور دعا ہے شاید
آج سب ختم مقدر کا لکھا ہے شاید
آخری سانس میں یہ آگ لگادی کس نے
یہ ترے سرخ دوپٹے کی ہوا ہے شاید

قطرہ

ہوش کی بات تم کو بتاؤں گا میں
 زندگی کی کہانی سناؤں گا میں
 تم ذرا ان درختوں کے نیچے چلو
 کچھ حسینوں کی قبریں دکھاؤں گا میں

قطرہ

تبصرہ کوئی ان پر کریں گے نہ ہم
 کچھ بھی ان کے کرم کو کہیں گے نہ ہم
 درد پتھر کے زخموں میں اتنا نہ تھا
 پھول کی چوٹ ہے اب بچیں گے نہ ہم

قطرہ

پیار کا راستہ پھوڑ دیں آئیے
 زندگانی کا رخ موڑ دیں آئیے
 ختم کر دیں وفاؤں کی پابندیاں
 اپنی اپنی قسم توڑ دیں آئیے

قطرہ

کیف پرور فضاؤں میں کھو جائیے
 عمر بھر کے لئے ان کے ہو جائیے
 بھینے بھینے خطوں پر یہ کہتا ہے دل
 ان مہکتے لفافوں میں سو جائیے

قطرہ

پھول جوڑے میں یوں مت سجایا کرو
 عطر میں مت دوپٹہ بسایا کرو
 وادیاں میرے خوابوں کی ویران ہیں
 تم اکیلے دکیلے نہ آیا کرو

قطرہ

اشک آنکھوں میں آئے تو پی لیں گے ہم
 آہ کے وقت ہونٹوں کو سی لیں گے ہم
 اب تمہاری محبت کو اپنا سلام
 بے محبت کے دنیا میں جی لیں گے ہم

قطرہ

زہر کے بول بھی ہیں اشکوں کی بارات کے ساتھ
 آگ کے پھول بغلگیر ہیں برسات کے ساتھ
 اک دعاء بھی نہ ہوئی سلسلہ بت میں قبول
 مصلحت ہوگی کوئی قاضیء حاجات کے ساتھ

قطرہ

پھول ارماں کے کھل جائیں پیارے وطن
 چاک سینوں کے سل جائیں پیارے وطن
 ہم بتائیں ہماری ہے کیا آرزو
 تیری مٹی میں مل جائیں پیارے وطن



(منظومات)

سہرا

ہر دل کی تازگی ہیں یہ سہرے کے چند پھول مجموعہء خوشی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 تصویرِ بخودی ہیں یہ سہرے کے چند پھول پیغامِ آگہی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 کلیوں کا اتحاد ہے آئینہء حیات ترتیبِ زندگی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 جو پتکھڑی ہے اسکی ہتھیلی پہ نور ہے پونم کی چاندنی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 نوشہ کے رخ کو چوم رہی ہیں مسرتیں کیا چیز واقعی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 ماں باپ کی خوشی کی وضاحت میں کیا کروں آنکھوں کی روشنی ہیں یہ سہرے کے چند پھول
 یونہی شگفتہ تا بہ قیامت رہیں علیم
 جیسے کہ اس گھڑی ہیں یہ سہرے کے چند پھول



”نوجوان سے“

دماغوں میں مستی خیالات باطل
گیا عیش و عشرت میں تو اتنا گھل مل
یہی تیرے اسلاف کے تھے مشاغل
کہاں تک یہ مدہوشیاں جاگ غافل
اڑاتی ہے قسمت تجھے چٹکیوں پر
ترے دست و بازو کے ہوتے ہوئے بھی
تری زندگی بھی یہ کیا زندگی ہے
اگر آج تو چل عمل کے چلن پر
تصور میں رقصاں ہیں حورِ شمال
اذانوں کو سمجھا ہے جھنکارِ پائل
جو ہیں آج معمول میں تیرے داخل
ابھی منزلوں دور ہے تیری منزل
کہ ہر موج کو تو سمجھتا ہے ساحل
لگی ہائے ایماں میں زنجیرِ باطل
نہ مرنے کے لائق نہ جینے کے قابل
تو آسان ہو جائے ہر امر مشکل

براہیم کا تجھ میں آجائے ایماں
تو شعلے پہن لیں لباسِ گلستاں



طوائف ”۱۹۵۰ء“

وہ دستِ مشیت کی نایاب صنعت وہ تخلیقِ انسان کی روشن حقیقت
وہ آدم کے آغوش کی زیب و زینت زبانِ جہاں میں جسے کہئے عورت
وہ عورت وہ آئینہ دار حقیقت وہ انساں کا گنجینہ بیش قیمت
وہ عورت وہ سرِ چشمہ جاذبیت بنا کر جسے مسکرائی مشیت
جو سیتا کے قالب میں برسوں رہی ہے جو کہلائی ہے مریم پاک طنیت
لباسِ زلیخا میں جس نے جہاں کو کیا آشنائے رہ و رسمِ الفت
جو لیلیٰ کے محمل میں مستور ہو کر بنی قیس کی رہنمائے طریقت
جو مہوال کی سوہنی میں بسی تھی دیاہند کو جس نے درسِ محبت
قبارانی جھانسی کی جس نے پہن کر دکھا دی جہاں کو وطن کی محبت
پلے گود میں جس کی حمزہ وحیدر فلک نے بھی محسوس کی جن کی قوت
ہوئے بطن سے جس کے بھیم اور ار جن نہ بھولے گی تاریخ جن کی شجاعت
عمر ابن خطاب کو جنم دے کر سکھائی ہے دنیا کو جس نے عدالت
کھلی جس کے آغوش میں چشمِ گاندھی وجودِ جنا جس کا مرہونِ منت

وہ اعزازِ انساں کا نایاب موتی کیا جس نے پستی کو صدرِ رشکِ رفعت
وہ عورت وہ انسانیت کا سراپا امینِ محبت مجسمِ شرافت
وہ اتنی روایاتِ اعلیٰ کی حامل مگر وائے افسوس آج اس کی حالت
کہ انسانیت سسکیاں لے رہی ہے محبت سراپا ہے غرقِ ندامت
شرافت کا منہ فق ہوا جا رہا ہے گڑی جاتی ہے دیکھ کر اس کو غیرت
حیاؤں کو آتے ہیں ٹھنڈے پسینے گریباں دریدہ ہے آج اس کی عصمت
وہ عورت وہی نازشِ شانِ انساں صد افسوس ہے آج چکلوں کی زینت
طوائف جسے آج کہتی ہے دنیا
ہے رخسارِ انسانیت پر طمانچا



”مالن“

یاد ہے یاد ہے وہ سہانی سحر
 رنگ و بو سے تھی معمور ساری فضا
 وجد میں تھے شجر جذب میں ڈالیاں
 طائرانِ گلستاں تھے تسبیحِ خواں
 ایک گوشے میں میری نظر جو گئی
 بکھری بکھری سی شانوں پہ زلفِ دوتا
 حسنِ کافور رو، سیمِ تن ، کامنی
 رہزنِ دین و ایمان و صبر و سکوں
 پھول چنتی ہوئی مسکراتی ہوئی
 چوڑیوں کی فضاؤں میں پیہم کھنک
 بچھ نہ پائی تھی نظروں کی تشنہ لبی
 چونگ اٹھی یک بیک ایسے وہ سیمِ تن
 ایک بجلی فضاؤں میں لہرا گئی
 دوڑیں رخ پر مجھے دیکھ کر سرخیاں
 کھینچ کر سر پہ شانوں سے جھٹ اوڑھنی
 حسنِ مالن نہ تھا پیکرِ نور تھا
 اس قدر حسن یارب اگر عام ہے
 پڑ رہی تھی ابھی ہلکی ہلکی کھر
 لڑکھڑاتے قدم چل رہی تھی ہوا
 یادِ خالق میں مصروف تھیں پیتیاں
 اک صدا کوئی تھی پی کہاں پی کہاں
 ایک مالن نظر آئی رشکِ پری
 جیسے ساون کی بدمست کالی گھٹا
 جیسے ساغر میں بھر دے کوئی چاندنی
 کم روش حسنِ معصوم، یوسف نگوں
 بے نیازِ الم گنگناتی ہوئی
 شاخِ صندل میں اک والہانہ لچک
 مجھ کو ایسے میں کبخت چھینک آگئی
 جیسے بندوق کا فیر سن لے ہرن
 مجھ کو چھو کر نظر جھٹ سے کترا گئی
 گر گئی دودھ میں دفعتاً ارغواں
 ہولے ہولے قدم چل پڑی کمسنی
 بھیس بدلے ہوئے جلوہ طور تھا
 دینِ وایماں بچانا بڑا کام ہے

”بھلا تو ہی بتا“

اے مری روحِ رواں میری امیدوں کے سراب!
میرے افلاکِ تخیل کے درخشاں مہتاب!
کسی شاعر کے خیالات کی رنگین کتاب!
اور انگڑائیاں لیتا ہوا وہ مست شباب!

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا!
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے ترا

رخِ پر نور وہ میرا صفتِ بدرِ منیر
وہ تری مست نگاہوں کے چلن شوخ و شریر
تیرے ہونٹوں پہ وہ ہلکے سے تبسم کی لکیر
خونِ آشام لپکتی ہوئی گویا شمشیر

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے تیرا

گیسوائے سیاہ کے گہوارے میں گلگورخسار
بدلیوں میں مئے گل رنگ کے شیشوں کا نکھار
کروٹیں وہ ترے آنچل کی فضا میں سوبار
وہ تری چال کا انداز قیامت کا شعار

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے تیرا

لاکھ قربان سویرے مری ان شاموں پر
فرش آنکھیں رہا کرتی تھیں تری راہوں پر
چھپکے آنا ترا پیچھے سے مرے شانوں پر
اور لرزتے ہوئے وہ ہاتھ مری آنکھوں پر

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے ترا

قہقہہ ماریاں تری وہ مرے کانوں میں
گھنٹیاں بجنے لگیں جیسے صنم خانوں میں
ایک انگڑائی کا احساس سا ارمانوں میں
ایک بجلی کا گذر خون میں شریانوں میں

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے ترا

تیرا کہنا ہے بھلا دوں میں وہ باتیں لیکن
وہ حسیں دن وہ حسیں چاندنی راتیں لیکن
شرم اور شوق کی پرلطف کی گھاتیں لیکن
اور خصوصاً تری چھلکی سی وہ آنکھیں لیکن

کیسے کردوں میں فراموش بھلا تو ہی بتا
آج بھی میرے تخیل میں بسیرا ہے ترا

دور ماضی کی ایک جھلک (۴۹ء)

وہ کیا سردی کی گھڑیاں تھیں دسمبر کا مہینہ تھا
 بڑے دن کی وہ تعطیلیں کچھ ایسا رنگ لاتی تھیں
 کسی کا اپنی محفل میں وہ آغاز آنے جانے کا
 وہ ہر دم محفلیں عیش و طرب کی گرم رہتی تھیں
 حجابات تکلف کا وہ رفتہ رفتہ اٹھ جانا
 انہیں خوشیوں میں پھر اک یوم تخریبِ خوشی آیا
 جو بیتی چھٹیاں تو مدرسے بھی کھل گئے سارے
 کہا سب سے سبھوں نے یہ کہ اب وقتِ وداعی ہے
 کوئی اچھا ڈرامہ ہو یہی محفل میں طے پایا
 کیا مجبور جب سب نے انہیں کردار کرنے کو
 کیا کردار کچھ ایسا کہ ہم بتلا نہیں سکتے
 غرض وہ دوسرے دن چل دیئے ارماں کچل کر کے
 یہاں یہ جذبے دل نام لکھ لکھ کر مٹاتے تھے
 گیا رنگیں زمانہ اور دورِ سادگی آیا
 اسی ماہ مبارک میں اک ان کا خط بھی آیا تھا
 رواں بحرِ محبت میں کہ جب دل کا سفینہ تھا
 خوابیدہ جو تھے جذبات ان کو بھی جگاتی تھیں
 تکلف گفتگو میں اور ہر اک سے شرم کھانے کا
 فضا میں مسکرا کر کے مبارکباد کہتی تھیں
 تکلف کی جگہ وہ رنگِ بے باکی کا آجانا
 دسمبر کا مہینہ بیتا ماہِ جنوری آیا
 انہیں جانا تھا اور روتے تھے سب تقدیر کے مارے
 کوئی دل بستگی ہو جائے جب داغِ جدائی ہے
 تخیل ہی تھا کچھ ایسا کہ ذرہ ذرہ اتر آیا
 تو وہ راضی ہوئے مشکل سے دل پر وار کرنے کو
 اداکاری و نغمہ باریاں دہرا نہیں سکتے
 ہزاروں آرزوئیں رہ گئیں دل میں مسل کر کے
 جو تھے نا آشنا رونے سے وہ آنسو بہاتے تھے
 مہینہ جنوری گذرا وہ ماہِ فروری آیا
 کہ ہر روتا ہوا جس سے یکا یک مسکرایا تھا

نہ ہی مارچ اور اپریل میں پھر کوئی خط آیا اس اک طرز تغافل نے ہر اک کے دل کو تڑپایا
 مئی آئی خزاں دیدہ گلستاں میں بہار آئی فضا شاداں ہوئی بادِ صبا دوبارہ اترائی
 وہی منظر وہی جھگھٹ وہی ارکان محفل تھے وہی خوشیاں وہی رنگ تھا وہی سب صاحب دل تھے
 مئی تو کٹ گئی خوشیوں میں ساری ماہ جون آیا کہ اک کو دیکھ کر پھر ایک کی آنکھوں میں خون آیا
 اس ماہِ نحس میں ہو گئیں باتیں عجیب پیدا کہ تھے یکجان جو کل آج ان میں تھے رقیب پیدا
 لڑاؤں ایک کو اک سے یہی بس ان کی خواہش تھی مٹانا چاہتے تھے وہ کہ جو رنگیں تراوش تھی
 یہی تھی وجہ جس سے رہ گئے بے خانماں ہو کر جدا ہو کر جئے اور آہ وہ بھی نیم جاں ہو کر
 مدرسے کھل گئے جولائی میں اور چل دیئے وہ بھی غرض سب لگ گئے کاموں پہ اپنے اپنے تھے جو بھی
 پریشاں نیم جاں ہیں مضطرب ناشاداب بھی ہیں یوں اچھن اور بن چھمو و شمشاداب بھی ہیں

تمنا ہے نہ اب کچھ شکوہ و فریاد باقی ہے
 بس اتنا ہے کہ ان لمحات کی کچھ یاد باقی ہے



”.....مدھوبالا سے ستمبر ۵۷ء“

او مدھوبالا او صدرشکِ حسینانِ جہاں
 قالبِ فن کی اے ممتازِ رگِ روحِ رواں
 آج کل کتنی تو مغمومِ نظر آتی ہے
 تیری حالت بڑی مذمومِ نظر آتی ہے
 محوِ ماتم ہے وہ دل کل تھی جہاں چہل پہل
 تیرے ارمانوں کے مسمار ہوئے شیشِ محل
 اس نے کیا دیا افسوس کہ دھوکا تجھ کو
 کبھی معیارِ محبت پہ نہ پرکھا تجھ کو
 تیری الفت کا مذاق آج اڑایا اس نے
 کامنی کو بھی تھا جیسے کہ ستایا اس نے
 تو پسند کرتی جو اپنے لئے ویسا ماحول
 گود میں تیری بھی ہوتا کوئی ننہا راہول
 دیکھ کر اوروں کے رومانِ و محبت خوشحال

دلِ معصوم کو تیرے ہوا کیوں اتنا ملال
 راج و زگس کی ہوسناک محبت ہی نہ دیکھ
 شوبھا کے دل پر درد کی حالت بھی تو دیکھ
 کل تلک جو کہ تھی محبوب کے دل کی شزار
 آج ہے قابلِ افسوس وہی ہستی زار
 تجھے درکا رہوگر آج بھی اک پریم کا دیپ
 چپے چپے میں ملیں گے تجھے صد لاکھ دلیپ
 پرگوارہ نہ کرے گی یہ تری طبع غیور
 ”فرض اور عشق“ کو کرنا ہے تجھے کیونکہ عبور
 اور جب تجھ کو یہ اقدام گوارہ ہی نہیں
 پھر تو اب صبر کے اور کوئی بھی چارہ ہی نہیں
 گرمداوا ہے کہ کچھ اس کا تو تغافل ہے اب
 تیرا ہمدرد کوئی ہے تو تحمل ہے اب



”پانچ سال بعد“

آج ان کو جو میں پیشِ نظر دیکھ رہا ہوں
 دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
 یہ چہرہ پر نور میں زردی کی حلاوت
 چاندی کی قلمرو میں یہ سونے کی بغاوت
 گہوارہ کیسو میں بھی پیشانی ہے پر غم
 ظلمات کی سرحد میں سکندر کا یہ عالم
 وہ شانِ خطِ ابروئے خمدار نہیں ہے
 تلوار میں اب جوہر تلوار نہیں ہے
 آنکھوں میں وہ شوخی ہے نہ وہ برقِ نمائی
 ہے دستِ متانت میں شرارت کی کلائی
 رخساروں کو ہے گردِ مصائب سے گرانی
 پھولوں کو نہیں یاد بہاروں کی کہانی
 ہونٹوں میں بھی وہ حکمتِ گفتار نہیں ہے
 اب نطق کی پازیب میں جھنکار نہیں ہے
 وہ پاؤں ابھی کل جو اٹھاتے تھے قیامت
 آج اٹھنے میں ان کے ہے عجب ضعف و نقاہت
 جلوہ ہے مگر جلوہ نظرِ کوش نہیں ہے
 بادہ ہے مگر بادہٴ سرجوش نہیں ہے
 انگاروں کی لپٹیں کہاں اک پھول کی ہستی
 افلاس کا طوفان کہاں حسن کی کشتی

”ایک شام“

حیاتِ دھر میں اکک خوب و سروش کی شام شرابِ حسن کے سرمست بادہ نوش کی شام
لطیفِ شام! عجب جوش اور خروش کی شام اور ایک کافرِ زلف سیہ بدوش کی شام
اُس ایک شام کی حالت کسی کو کیا معلوم

کوئی تھا بام پہ محوِ خرام با انداز قدم قدم پہ ادا اور ادا ادائیں ناز
وہ گنگنا نے کی مدہم سی زیر لب آواز قدم کے رکنے پہ پائل کا ہلکا ہلکا ساز
کسی کے دل پہ قیامت کسی کو کیا معلوم

وہ رُعبِ حسن کہ تھرائیں جس سے حور و ملک وہ تابِ حسن کہ بیتاب جس پہ ماہِ تلک
اٹھائی اس نے یکا یک جو اس طرف کو پلک دکھائی دی لبِ لعلیں سے موتیوں کی جھلک
دلِ غریب کی حالت کسی کو کیا معلوم

نگاہ پھر جو اٹھی سرے بام کوئی نہ تھا بجھائے تشنہ لبی ایسا جام کوئی نہ تھا
نہ ساز و نغمہ تھے، محوِ خرام کوئی نہ تھا سوا مچلنے کے بس دل کا کام کوئی نہ تھا
نگاہِ ناز کی لذت کسی کو کیا معلوم

نہ کیفِ زاہیں فضا میں نہ جانفزا ہے نسیم صبا کے جھونکو میں آتی نہیں ہے بوئے شمیم
سکون نہ چین ہے پہلا سا اور نہ لطفِ عمیم بدل دی ایک جھلک نے ہی زندگی بھی علیم
جنابِ عشق کی برکت کسی کو کیا معلوم

’اکسیدِ ینت‘

ایک عورت رشکِ صددوشیزگاں پر کہنہ سال
مدتوں سے ہو رہا ہے منقسم جس کا شباب
وہ عمارت خستہ و برباد جس کے کچھ نشان
ایسا گل مرجھا چکی ہیں جس کی ساری پیتیاں
رہبرِ راہ ضلالتِ مرجعِ لطفِ گناہ
جس کے گیسو شانہ اغیار پر لہرا چکے
میلہ شمشیر میں میں گھومتا تھا ناگہاں
پاؤں ٹھٹکے ہوش چونکے آنکھ اٹھی بے اختیار
وہ تبسم جس میں مشکل تھا وفاؤں کا سراغ
وہ تبسم جس سے بے گانہ تھی ماں کی مامتا
وہ تبسم تھا کہ جس میں سادگی مفقود تھی
میرے استفسار پر وہ ناز سے کج کھا گئی
پان میں نے ایک بچے سے اسے منگوادیا
منتشر عقل و خرد تخیل میں اک زیرو بم
چلتے چلتے دفعتاً جوڑ کے ڈالی ہے نظر
سانس میں پھندا پڑا تخیل جھٹکا کھا گئی

برقوش مشاق قاتل عاشقاں چنچل خصال
ایسی مینا جس کی تہ میں اب نہیں باقی شراب
کہہ رہے ہیں رفعتِ ماضی کی پیہم داستاں
ایسا دامن اڑ رہی ہیں جس کی اب تک دھجیاں
ہر ادا تو لی ہوئی ناپی ہوئی ہر ہر نگاہ
جس کی چشم ناز کے سب تیراب زنگ کھا چکے
اک گرفتِ نرم پیروں میں ہوئی حلقہ کنناں
ایک افسردہ کلی پر تھا تبسم آشکار
وہ تبسم ہچکیاں لے جس طرح سحری چراغ
وہ تبسم چھن رہی تھی جس کے پردوں سے ریا
وہ تبسم جس میں اک بالغ طلب مقصود تھی
پان تو نکلا زباں سے اور پھر شرما گئی
ساتھ کے چلنے پہ میں نے ہاں کہا اور چل دیا
گھر کی جانب اٹھ رہے تھے میرے تیزی سے قدم
ایک سایہ آ رہا تھا میرے پیچھے تیز تر
ہوش نے تولے جو پر احساس پر بجلی گری

اب جو دیکھا وہی صورت جانی پہچانی ہوئی
 ایک لمحہ رہ کے چپ گرم گل افشانی ہوئی
 بات کیا ہے کیوں خفا ہو کچھ بتاؤ تو ہمیں
 تم کو ہم سے ہے محبت ہم سے نفرت ہے تمہیں
 یہ مقدر ہی ہے پھوٹا ہے تمہاری کیا خطا
 جس سے ہم نے کی محبت بے وفائی کر گیا
 اتنا کہہ کر آگئے دو اشک پلکوں کے قریب
 تھی ادا خود ساختہ لیکن نہایت ہی عجیب
 دفعتاً آہٹ ہوئی کچھ اور وہ کہنے لگی
 ”دیکھو کل آنا تم“ اچھا کہہ کے وہ رخصت ہوئی
 دوسرے دن وہ بلاوے پر بلاوے الاماں
 دل مرا اب اور زیادہ ہو رہا تھا بدگماں
 تیسرے دن بھی بلاؤں کا وہی عالم رہا
 سچ جو پوچھو سنتے سنتے دل مرا گھبرا گیا
 سوچ کر کچھ میں نے فوراً ہی ارادہ کر لیا
 پردہ ظلمات کی جانب سکندر چل دیا
 اپنی نفسیات کی کچھ آزمائش کے لئے
 جس گھڑی پہونچا ہوں جا کر منزل مقصود پر
 ہاتھ میرا تھام کر جلدی سے اندر رخ کیا
 جار ہے تھے لوٹ کر میلے سے گھر کو راہ گیر
 راہ کے دو دو قدم اک اک قدم کرتا ہوا
 جلوہ فرما تھی نظر کے سامنے وہ اشک بار
 کون الفت جس کو کہتا ہے زمانہ زندہ دار
 جلوہ فرما تھی نظر کے سامنے وہ اشک بار
 کون الفت؟ جس میں پتھرتی ہے انساں کی نگاہ
 دل میں کچھ بے چینیاں تھی ذہن میں اک انتشار
 کون الفت؟ مصر کے بازار ہیں جس کے گواہ
 کیا کروں اور کیوں کروں کیسے کروں پروردگار
 الجھنیں جب بڑھ چکیں حد سے تو پھر کم ہو گئیں
 ہر بگولہ نجد کا ہے جس کی اب تک یادگار
 رفتہ رفتہ نیند کی چادر میں مدغم ہو گئیں
 کون الفت؟ مصر کے بازار ہیں جس کے گواہ
 کون الفت؟ جس میں پتھرتی ہے انساں کی نگاہ
 رفتہ رفتہ نیند کی چادر میں مدغم ہو گئیں

”میزانِ حسن“ ۱۹۵۱ء

(حسب فرمائش جناب مولوی معین الدین صاحب عرف چھبن ساکن کرسی)

ایک دوشیزہ وہ انواری کی اک چنچل خصال
اک جھلک دیکھا ہے اب تک جس کا روئے پر جمال
نام جس کا ثوبیہ ر شک قیامت جس کی چال
ماہر فن جراحات بے نیاز اندمال

حسن سے جس کے عیاں خالق کے فن کی شان ہے
جس کی صورت دیکھ کر ہر آئینہ حیران ہے

جس کی زلفوں میں سیاہی ہے شب دیبو ر کی
جس کی پیشانی پہ رقصاں ہیں شعاعیں نور کی
جس کی آنکھوں میں چمک ہے گویا برقِ طور کی
اس کے آگے کیا حقیقت ہے پری کی حور کی

یوں تو انواری میں ہیں سب آفتاب و ماہتاب
پر ہے چچا اس پہ سرتاجِ حسیناں کا خطاب



”بکمال عجلت“

(برائے جشن ۱۵ اگست ۱۹۵۳ء حسب فرمائش طیش مارمروی)

لو آگیا یوم آزادی وہ نقش گہ خود آرائی
پھر ہنسنے لگا ذرہ ذرہ ہر شے پہ جوانی لوٹ آئی
پھر پھول کھلے گلشن مہکا پھر لی ہے فضا نے انگڑائی
پھر بر بٹ کیف و امنگ بھرا پھر زلفِ مسرت لہرائی

صد شکر خدا صد شکر خدا اللہ نے یہ دن دکھلایا

پھر قصرِ وطن پر از سرنو لو آج ترنگا لہرایا

یہ دن ہے غلامی کی جس دن ٹوٹی تھیں تڑا تڑ زنجیریں
آزادیِ انساں کی جس دن چمکی تھی وطن میں تنویریں
یہ دن ہے وہ خواب باپو کی پوری ہوئیں جس دن تعبیریں
یہ دن ہے وہ دن جب انسان نے تدبیر سے بدلیں تقدیریں

صد شکر خدا صد شکر خدا اللہ نے یہ دن دکھلادیا

پھر قصرِ وطن پر از سرنو لو آج ترنگا لہرایا



”نیا سال ۱۹۵۴“

نیا سال سن چون آیا

نئی بہاریں لایا

نیا سویرا نیا اجالا نئی نئی یہ ہوائیں

نئی منگیں نئی کلیاں نئی نئی آشائیں

مرا انگ انگ لہرایا

نیا سال سن چون آیا

سمٹ گئے اندھیارے جیسے پھیل گیا اجیارا

نکھرا نکھرا چندرماں ہے دھلا دھلا ہر تارا

ہر گل بوٹا بل کھایا

نیا سال سن چون آیا

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلے اور کوئل گیت سنائے

ایسے میں بن سا جن کے بھی جیا نہیں گھبرائے

ہر ذرہ ہے اترایا

نیا سال سن چون آیا

”محبت“

حسب ارشاد ضیَا ذکر صنم کرنا ہے
 آج عنوانِ محبت پہ رقم کرنا ہے
 کچھ محبت کے حقائق میں عیاں کرتا ہوں
 ان نگاہوں نے جو دیکھا ہے بیاں کرتا ہوں
 راہِ الفت میں کوئی بکر نہیں زید نہیں
 یہ وہ منزل ہے جہاں عمر کی بھی قید نہیں
 پینے والے ہوں تو نینوں کی شراہیں ہیں بہت
 پڑھنے والے ہوں تو چہروں کی کتابیں ہیں بہت
 بوڑھے مکھڑوں کو بھی میک اپ سے دکتے دیکھا
 خشک سینوں سے بھی آنچل کو سرکتے دیکھا
 خالہ جانوں کا لچکتا ہوا اندازِ خرام
 آپا جانوں کی نگاہوں میں گناہوں کا پیام
 بھابھیاں شہر میں الفت کی سبھی عادی ہیں
 سالیاں ہیں کہ تمناؤں کی شہزادی ہیں
 ہر طرف ماہ جبینوں کی نقابیں ہیں اٹھی
 ہر طرف شوخ تبسم کی دکا نہیں ہیں سچی
 پیار آنگن میں بھی روزن میں بھی دیوار میں بھی
 پیار ہی پیار محلے میں بھی بازار میں بھی
 رہ گیا کوئی بھلا پھر غم ہجراں کا سوال
 اوڑھتے حسن کو ہیں لوگ بچھاتے ہیں جمال

آہِ عمکیں نہ کوئی نالہ دل سوز ہے اب
 وعدہ فردا نہیں وعدہ امروز ہے اب
 اک طرف خاک اڑانے میں بھی دشواری ہے
 دوسری بات کہ اب دشت بھی سرکاری ہے
 قیس بن کر کوئی بیگانہ فیشن کیوں ہو
 مفت میں چاک ٹرالین کا دامن کیوں ہو
 یونہی گھر بیٹھے نگاہوں کے پیام آتے ہیں
 ہر گھڑی تازہ گلابوں کے سلام آتے ہیں
 اتنا ہنگام محبت ہے کہ الجھن ہے مجھے
 زلفِ پرخم کے بھی اب نام سے الجھن ہے مجھے
 شہرہ چشمِ حسیناں کا اثر لگتا ہے
 اب مجھے آم کی پھانکوں سے بھی ڈر لگتا ہے
 جب تھا ارمان بھرا تب بھی جواں تھے یہ لوگ
 جب میرے پیار کے دن تھے تو کہاں تھے یہ لوگ
 کوئی بتلا دو کہ کیا لائق تبادا ہوں میں
 گھر میں زندہ ہیں ابھی صاحبِ اولاد ہوں میں
 ”میرے اللہ برائی سے بچا نا مجھ کو
 نیک جو رہ ہو اسی رہ پہ چلانا مجھ کو“



”وطن کی محبت“

تجھ پہ صدقے یہ جاں تجھ پہ صدقے یہ من
کتنی پیاری ہے تو اے زمینِ وطن

تجھ میں کشمیر کی جنتوں کے مزے
تجھ میں پنجاب کی ہیر کے زم زمے
تجھ میں بنگال کی زلف کے سلسلے

ترے سینے سے پھوٹے ہیں گنگ و جمن
کتنی پیاری ہے تو اے زمینِ وطن

تجھ پہ جھانسی کی رانی تصدق ہوئی
چاند بی بی ترے نام پر مر مٹی
لاج رکھ کر تری جل مری پدمنی

اور جہیں پر کسی کے نہ آئی شکن
کتنی پیاری ہے تو اے زمینِ وطن

تیرے بیٹوں نے قسمیں یہی کھائی ہیں
جتنے ہندو مسلمان ہیں سب بھائی ہیں
سب علیم اب وطن کے ہی شیدائی ہیں

جن کے لب پر ترے گیت ہیں موجزن
کتنی پیاری ہے تو اے زمینِ وطن

﴿ ختم شد ﴾